日本の民話

جاپانی لوک کہانیاں



شفیع عقیل

日本の民話

シャフィ・アキール

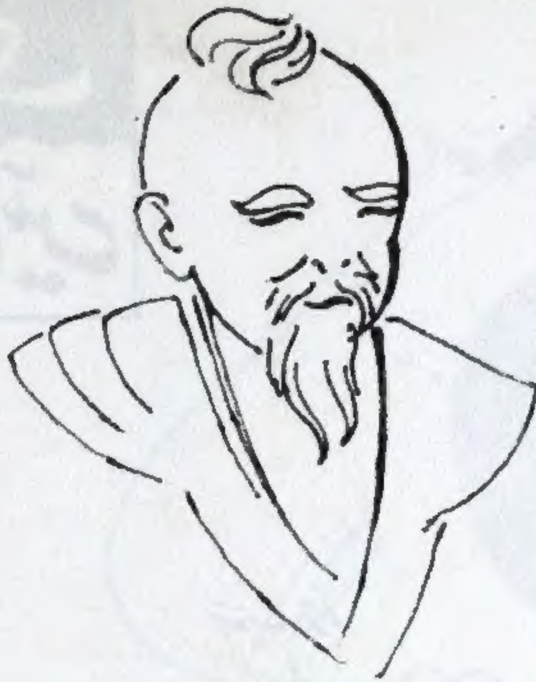


جاپانی لوک کتھائیں

تہذیب و ترجمہ

شفیع عقیل

پھری آرٹس اکیڈمی نیو چالی، کراچی

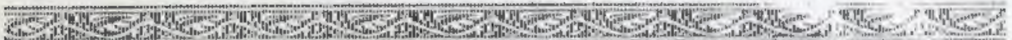


ناشر * نفری آرٹس اکیڈمی - ۱۰ ار اسٹار چیمبرز کیپٹن روڈ، نیو چالی کراچی

طابع * گلف گرافکس کراچی

تصاویر * آذر زوبی

اشاعت * ۱۹۸۳ء



اپنے دو جاپانی دوستوں



یوکی ھیساکوگا

اور

تسیگے یوکی اتاکا



کے نام



シャフィ・アキールさんは数々の日本民話をウルドゥ語で紹介しており、それは多くの読者に素朴でかざりのない文章として愛され続けてきています。

今回もアキールさんの日本民話に対する心やさしい愛情が国際交流基金の出版援助により実を結び、出版の運びとなったことは私達文化交流事業にたずさわるものにとりましてもこの上ない喜びに思います。

シャフィ・アキールさんのこのような努力と愛情には深く私達に示唆するものがあり、今後は私達の大切な仕事としてパキスタンの民話を日本へ紹介していくことを通し、文化の相互理解及び交流促進のために頑張っていかねばならないと考える次才です。

古賀幸久

ترجمہ

مجھے یہ جان کر انتہائی خوشی ہوئی ہے کہ شفیع عقیل نے بہت سی جاپانی لوک کہانیاں اُردو میں منتقل کر کے پاکستانی عوام سے متعارف کرائی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں نے جاپانی لوک کہانیوں کی ان کتابوں میں بے حد دلچسپی ظاہر کی ہے میرے خیال میں ان کی مقبولیت کی وجہ شفیع عقیل کا اندازِ تحریر ہے جو نہایت سادہ اور دل میں اُتر جانے والا ہے۔

یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ جاپانی لوک کہانیوں سے شفیع عقیل کی دلچسپی بارآور ثابت ہوئی ہے اور اس کے نتیجے میں ان کی یہ نئی کتاب شائع ہوئی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ان لوک کہانیوں کے ذریعہ بہت سے پاکستانی، جاپانی تہذیب و ثقافت کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

(ریوکی ہیساکوگا)





シャフイ・アキール氏の本書出版を心からお祝い申し上げます。シャフイ・アキール氏は日本事情に精通しておられ、昔から人々に語り継がれ愛されて来た日本の民話をウルドゥ語でパキスタンの人々に紹介する最適任者であります。本書をお読みになれば著者の巧みな表現力により必ずやその虜となることでしょう。今後も引き続きシャフイ・アキール氏が日本のあらゆる面をパキスタンの人々に紹介され、それがパキスタン・日本両国民の理解を深め、より強い友情が確立されんことを切に望むものであります。

昭和57年12月16日
安宅　茂行



ترجمہ

شفیع عقیل کی نئی کتاب "جاپانی لوک کہانیاں" کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے میں بڑی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ شفیع عقیل کا نام میرے ملک جاپان میں جانا پہچانا ہے اور وہ وہاں ایک باکمال ادیب کی حیثیت سے معروف ہیں۔ یہ بات بڑی پُرمسرت ہے کہ وہ پاکستانی عوام میں جاپانی لوک کہانیوں کو متعارف کرانے میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ قارئین اس کتاب کو پڑھ کر لُطف اندوز ہوں گے اور شفیع عقیل جاپان کے بارے میں لکھنے کا سلسلہ جاری رکھیں گے تاکہ پاکستان اور جاپان کے عوام کے درمیان بہتر افہام و تفہیم کو فروغ حاصل ہو اور دونوں ملکوں کے درمیان دوستانہ تعلقات مزید مستحکم ہوں۔

نیک تمناؤں کے ساتھ۔

(شیگے یوکی اتاکا)



پہلی بات



یہ آج سے پندرہ بیس برس اُدھر کی بات ہے۔ دُنیا کے مختلف ممالک کی لوک کہانیاں پڑھنے کے دوران مجھے خیال آیا کہ ان کا تقابلی مطالعہ و تجزیہ کر کے کتاب لکھی جائے۔ مگر پھر سوچا، میں نے اس سلسلے میں جو کتابیں پڑھی ہیں، وہ اکثر اردو قارئین کی نظر سے نہیں گزری ہوں گی۔ اس طرح میں جو حوالے دوں گا، جن علامتوں پر بحث کروں گا، جن باہمی رشتوں کے بارے میں لکھوں گا، جن تمثیلوں کا ذکر کروں گا، اور جن بنیادی کرداروں کو زیر بحث لاؤں گا، ان کی تفہیم کا مقصد پورا نہ ہو سکے گا لہٰذا کیوں نہ پہلے اردو زبان میں مختلف ممالک کی کچھ لوک کہانیاں منتقل کی جائیں؟ بظاہر یہ خیال آسان تھا لیکن اس کو عملی جامہ پہنانا مشکل نہیں تو سہل بھی نہیں تھا۔ اس کے لیے وقت اور محنت دونوں درکار تھے۔ بہر صورت میں نے کام کی ابتدا کر دی۔ مصروفیت میں سے تھوڑا بہت وقت نکال کے لکھنا شروع کر دیا چنانچہ اب اس سلسلے کی چھٹی کتاب آپ کے سامنے ہے۔

ان کہانیوں کے بارے میں مجھے یہ بھی کہنا ہے کہ یہ محض ترجمہ نہیں ہیں بلکہ میں نے ان کی تہذیب بھی کی ہے۔ بعض کہانیاں مختصر تھیں، میں نے انہیں باقاعدہ کہانی کی شکل دی ہے اور کچھ کہانیاں اتنی طویل تھیں کہ مجھے ان کے غیر ضروری حصے حذف کرنا پڑے۔ مگر اس سارے عمل میں کہانی کے اصل متن میں کوئی تبدیلی نہیں آنے دی۔ ان کے کردار، مقامات، واقعات، علامتیں، اور آغاز و انجام کے ساتھ ساتھ داستان کے تانے بانے میں ہر کہانی اپنے اصل رنگ روپ کے مطابق موجود ہے۔ انہیں اردو کا روپ دینے کا مقصد بھی یہی ہے کہ یہ جاپانی لوک کتھائیں اپنے تاریخی، روایتی، تہذیبی، اور دیومالائی پس منظر کے ساتھ پیش کی جائیں۔

ارادہ یہ بھی تھا کہ ان جاپانی لوک کتھاؤں کے دیومالائی پس منظر کے بارے میں کچھ لکھا جائے۔ ان علامتوں پر روشنی ڈالی جائے جو کرداروں کی صورت میں ان میں موجود ہیں، بودھ مذہب یا شنتو کے ان عقائد کے متعلق کچھ وضاحت کی جائے جو ان میں جگہ جگہ کارفرما ہیں لیکن پھر اس خیال سے یہ ارادہ ترک

کر دیا کہ ابھی تو اس سلسلے میں میرا مطالعہ جاری ہے۔ یہ کام کر د، اور وقت پر اٹھا رکھا جاتے۔ ہو سکتا ہے کچھ اور پہلو سامنے آئیں۔

اس کتاب میں جاپان کی اکتیس لوک کتھائیں شامل ہیں۔ یہ سب کی سب وہ لوک کہانیاں ہیں جن سے ملک آفتاب کی سرزمین یعنی جاپان کا بچہ بچہ آشنا ہے اور اب انہیں اردو داں لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لوک کہانی لکھنے، کہنے یا بیان کرنے کا ایک مخصوص ڈھنگ اور لب و لہجہ ہوتا ہے ۔ اور وہی میں نے اختیار کیا ہے تاکہ اردو کے قارئین کو انہیں پڑھتے وقت اجنبیت کا احساس نہ ہو۔

اس کتاب میں جو لوک کتھائیں شامل ہیں، ان کے ماخذ کی فہرست آخر میں دے دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کے وہ انگریزی نام بھی لکھ دیئے گئے ہیں جن سے یہ جانی پہچانی جاتی ہیں۔ چونکہ میں نے یہ کہانیاں انگریزی زبان کے توسط سے اردو میں منتقل کی ہیں اس لئے جاپانی ناموں کی بجائے انگریزی نام تحریر کئے ہیں۔

فہرست

فہرست





موت سے ملاقات



آج سے صدیوں پہلے کی بات ہے۔ جاپان کے دارالحکومت میں ایک ساموائی رہتا تھا۔ ساموائی جنگجو بہادروں کو کہا جاتا ہے۔ اور قدیم زمانے میں یہ لوگ مختلف حکمرانوں اور جاگیرداروں کے ہاں ملازم ہوتے تھے تاکہ وقت پڑنے پر اپنے آقا کی حفاظت کرسکیں۔ دارالحکومت میں رہنے والا یہ ساموائی اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا اور بے روزگاری کے دن گذار رہا تھا۔ اتفاق سے حالات اتنے خراب تھے کہ بیچارہ ساموائی کوشش کے باوجود کہیں ملازمت حاصل نہ کرسکا۔ مسلسل بے روزگاری سے دوچار ہونے کی وجہ سے اس کے دن بُرے سے بُرے ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ فاقوں تک کی نوبت آگئی۔ اس نے کوئی آقا تلاش کرنے کی انتہائی کوشش کی مگر وہ اس میں ناکام رہا۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اور اس کی بیوی انتہائی مفلسی میں زندگی گذار رہے تھے۔

ایک دن اس کا ایک دوست اسے ملنے آیا اور باتوں باتوں میں کہنے لگا۔

”تم نے کچھ سُنا۔۔؟“

”کیا ہوا۔۔؟ کیا بات ہے۔۔؟“

اس نے اس سے دریافت کیا۔ اس پر اس کے دوست نے بتایا۔

”تمہارا فلاں دوست ایک جگہ مقامی حاکم مقرر کیا گیا ہے اور اب وہ اپنا نیا عہدہ سنبھالنے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔“

”اچھا۔۔ سچ۔۔؟“

ساموائی خوشی میں اُچھل پڑا کیونکہ اس سے اس کی بڑی گہری دوستی تھی۔ اس کی بیوی نے سُنا تو وہ بھی خوش ہو کر کہنے لگی۔

”تمہارا گہرا دوست مقامی حاکم مقرر ہو گیا ہے۔ یہ انتہائی خوشی کی بات ہے۔ وہ تمہاری ملازمت

کے لئے ضرور مدد کرے گا۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے ۔۔۔ وہ میرا بہت اچھا اور مخلص دوست ہے۔ پھر وہ میرے موجودہ حالات سے پوری طرح واقف ہے۔"

"تمہیں ابھی اس کے پاس جانا چاہیئے ۔۔۔؟"

اس کی بیوی نے مشورہ دیا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو میں ابھی اس کے پاس جاتا ہوں۔"

چنانچہ وہ اسی وقت اپنے دوست کے گھر کی طرف چل دیا جو حاکم مقرر ہوا تھا۔ جب وہ اس کے گھر پہنچا تو اس کا دوست اپنا ضروری سامان وغیرہ باندھنے میں مصروف تھا۔ سامورائی نے اس سے سلام دعا کی اور کہنے لگا۔

"دوست تمہیں یہ نیا عہدہ مبارک ہو ۔۔۔!"

اگرچہ اس وقت اس کا دوست سامان باندھنے اور نوکروں کو ضروری ہدایات دینے میں بہت مصروف تھا لیکن اس کے باوجود وہ ساموائی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ وہ اس سے بڑے تپاک سے ملا اور بولا۔

"شکریہ میرے دوست ۔۔۔ یہ سب کچھ دوستوں کی دعاؤں ہی سے ہوا ہے۔"

وہ دونوں ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ اور پھر باتوں باتوں میں ساموائی کا دوست اس سے پوچھنے لگا۔

"پیارے دوست! آجکل تم کیا کر رہے ہو ۔۔۔؟ تمہارے حالات کیسے ہیں۔؟ کوئی ملازمت ملی یا نہیں ۔۔۔؟"

جواب میں ساموائی نے اسے بتایا۔

"میں نے اپنے طور پر بہت کوشش کی ہے لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی ۔۔۔ اب تو زندگی سے تنگ آگیا ہوں۔"

اس کے دوست کو اس پر بہت ترس آیا۔ وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"میں جانتا ہوں تم ایک عرصہ سے دارالحکومت میں ملازمت حاصل کرنے اور اپنی حیثیت بحال کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہو ۔۔۔ مگر جیسا کہ تم جانتے ہو آج کل حالات بڑے خراب ہیں۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے شاید ہی یہاں تمہیں کوئی ملازمت مل سکے۔"

ساموراتی خاموشی سے اُس کی بات سُن رہا تھا۔ وہ سر نیہوڑائے بیٹھا تھا اور اس کا دوست کہہ رہا تھا۔

"میں تمہارا قریبی اور مخلص دوست ہونے کی وجہ سے تمہیں یہ مشورہ دوں گا کہ تم دارالحکومت کو چھوڑ دو اور میرے ساتھ چلو۔ میرا خیال ہے، میں تمہیں کوئی نہ کوئی ملازمت دلانے میں مدد کر سکوں گا۔ میں اس سے پہلے بھی تمہارے حالات سے باخبر تھا اور تمہاری مدد کرنا چاہتا تھا لیکن میں ایسی حیثیت میں نہیں تھا جو تمہارے کوئی کام آسکتا۔"

"مجھے معلوم ہے۔ تم میرے ہمدرد ہو دوست ہو اور اسی لیے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔"

ساموراتی نے بڑے دھیمے لہجے میں کہا جس پر اس کا دوست اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"خوش قسمتی سے اب میں ایک مقامی حاکم کے عہدہ پر فائز ہو گیا ہوں اس لیے میرا خیال ہی نہیں بلکہ مجھے یقین ہے کہ میں تمہاری مدد کر سکوں گا۔ تم اس طرح کب تک مفلسی میں زندگی گزارو گے۔ ؟ میری بات مانو اور میرے ساتھ چلو۔ میرے مشورے پر سنجیدگی سے غور کرو۔ !"

"تمہاری اس پیش کش کا بہت بہت شکریہ ـــــ"

ساموراتی نے ممنون ہوتے ہوئے کہا۔

"تم میرے بہت ہی اچھے دوست ہو اس لیے میں تمہیں سچ سچ بتا دوں کہ میں بہت بُرے حالات سے گزر رہا ہوں۔ میری بیوی اتنی نیک اور صبر والی ہے کہ اس بیچاری نے آج تک شکایت تک نہیں کی اور تمام مصیبتیں اور مشکلات خندہ پیشانی سے برداشت کر رہی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے، وہ بیچاری بہت اچھی ہے اور ہر حالت میں تمہارا ساتھ نبھا رہی ہے"

اس کے دوست نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ ایسی بیوی کسی قسمت والے ہی کو ملتی ہے ـــــ"

ساموراتی نے پھر کہنا شروع کیا۔

"میں تمہارا انتہائی ممنون ہوں گا اور تمہارے ماتحت ملازمت کر کے مجھے خوشی ہو گی۔ اس طرح میری مفلسی بھی دور ہو جائے گی اور حیثیت بھی بحال ہو گی ـــــ مجھے تمہاری پیش کش قبول ہے اور میں اس کیلئے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

اس طرح ساموراؤ نے اپنے دوست کی پیش کش قبول کرلی اور اس کی مہربانی اور ہمدردی کا شکریہ ادا کیا۔

ساموراؤ اگرچہ مفلسی میں گرفتار تھا لیکن وہ اپنی محبوب بیوی کے ساتھ بڑی پُرمسرت زندگی گذار رہا تھا۔ اس کی بیوی جوان، اور انتہائی خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت رحم دل بھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اسقدر غریبی کے باوجود ان میں کبھی لڑائی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے ۔۔ اور اب جبکہ ساموراؤ ملازمت کی اُمید میں اپنے دوست کے ساتھ جا رہا تھا تو اس کی پیاری بیوی بہت اداس ہو رہی تھی۔ خود ساموراؤ کے لئے بھی یہ وقت بڑا کٹھن ہو رہا تھا۔ بیوی کی جدائی برداشت کرنا اس کے لئے مشکل تھا لیکن مجبوری تھی اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”گھبراؤ نہیں ۔۔ ہم بہت جلد پھر مل جائیں گے۔ اگر مجبوری نہ ہوتی تو میں تمہیں چھوڑ کر کبھی نہ جاتا“

”ہاں ۔۔ میں جانتی ہوں ۔۔ جہاں ہم نے اتنی مصیبتیں جھیلی ہیں وہاں یہ بھی سہی“

اس کی بیوی آنسو بہاتے ہوئے بولی۔

”ہو سکتا ہے، اسی بہانے ہمارے دن پھر جائیں ۔ مجھے یقین ہے جلد ہی ہمیں پھر خوشحالی نصیب ہو جائے گی اور تم خوشی میں زندگی بسر کرو گی ۔ بس چند ہی دنوں کی بات ہے“

وہ مسلسل اپنی بیوی کی ڈھارس بندھا رہا تھا جو اس وقت اس سے لپٹ کر رو رہی تھی۔ آخر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور شوہر کو رخصت کرتے ہوئے بولی۔

”اچھا خدا حافظ ۔۔ اپنی صحت کا خیال رکھنا!“

”تم بھی زیادہ فکر نہ کرنا اور اپنا خیال رکھنا ۔ خدا حافظ ۔ !“

اب مسئلہ ایک اور بھی تھا جس سے اس کی بیوی بے خبر تھی ۔ مسئلہ یہ تھا کہ ساموراؤ کو سفر کے خرچ کے لئے کچھ پیسے بھی درکار تھے ۔ پھر وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ جاتے وقت کچھ پیسے اپنی بیوی کو بھی دے جائے۔ اس کے لئے اس نے ادھر اُدھر کوشش کی لیکن وہ پیسے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا چنانچہ اس نے چوری چھپے ایک ایسی عورت سے شادی کر لی جو دولت والی تھی اور اس کی بہت سی جائداد بھی تھی۔ اس عورت نے ساموراؤ سے کہا تھا کہ ۔۔

" اگر تم مجھ سے شادی کر لو تو میں تمہاری پیسے کی مشکل دور کر سکتی ہوں ۔ ؟ "

اس کے ساتھ ہی اس نے یہ شرط بھی رکھی تھی کہ : ۔

میں تمہارے ساتھ جاؤں گی ۔ تمہاری پہلی بیوی یہیں دارالحکومت ہی میں رہے گی ۔"

سامورائی نے اس کی یہ بات مان لی تھی اور اس طرح کسی کو بتائے بغیر اس سے شادی کر چکا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی وفادار بیوی سے رخصت ہو کر نئی دولت مند بیوی کے پاس گیا اور اسے اپنے ساتھ لیکر سفر پر روانہ ہو گیا۔

سامورائی جس نئے شہر میں پہنچا تھا وہ دارالحکومت سے دور دراز ایک صوبے میں واقع تھا یہاں پہنچ کر اسے اچھی ملازمت بھی مل گئی تھی اور پھر اب تو اس کے ساتھ ایک دولتمند نئی بیوی بھی تھی اسلئے وہ اپنی مفلسی کو بھول گیا اور نئی بیوی کے ساتھ عیش کی زندگی بسر کرنے لگا ۔ وہ اپنی پہلی وفادار بیوی کو اس طرح فراموش کر چکا تھا کہ اس نے نہ تو اسے کبھی پیسے بھیجے اور نہ ہی کوئی خط تحریر کیا ۔ نئی بیوی نے اسے اس طرح اپنا گرویدہ بنا لیا تھا کہ اس کو اس عورت کا خیال تک نہ آیا جس نے مفلسی اور تنگدستی میں اس کا ساتھ دیا تھا ۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ دولت اور نئی بیوی کی محبت میں مست ہو چکا ہے ۔

اسی طرح کئی سال گذر گئے ۔ یہاں تک کہ ایک روز تنہائی میں بیٹھے بیٹھے اچانک اسے اپنی بیوی کا خیال آیا اور وہ پریشان سا ہو گیا ۔ اسے اپنی بے وفائی کا احساس ہونے لگا ۔ وہ سوچنے لگا ۔

نہ جانے اس بیچاری کا کیا حال ہو گا ۔ ؟ میں جب سے یہاں آیا ہوں میں نے اسے ایک پیسہ بھی نہیں بھیجا ۔ نہ ہی اسے کوئی خط لکھا ہے ۔ نہ جانے اس کی گذر بسر کیسے ہو رہی ہو گی ۔ !"

وہ جوں جوں سوچتا اسے اپنے جرم کا احساس شدید ہو رہا تھا ۔

" میں یہاں عیش کر رہا ہوں ۔ جس وفادار بیوی نے برے دنوں میں میرا ساتھ دیا ، اسے بھول کر ایک دوسری عورت کے ساتھ مزے لوٹ رہا ہوں ۔ میں نے بہت بڑا جرم کیا ہے ۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا ۔"

اسے اس کا ضمیر ملامت کرنے لگا ، اور وہ بے چین ہو گیا ۔ اب وہ جیسے جیسے اپنی پہلی بیوی کے بارے میں سوچتا اتنا ہی پریشان ہو جاتا ۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ جسقدر جلد ہو سکے اس کے پاس پہنچ جائے اور اس سے اپنی بے وفائی اور غلطی کی معافی مانگے ۔ اور اس نے اس سلسلے میں دیر بھی نہ کی ۔ جلد ہی

جلدی اپنا ضروری سامان باندھا اور واپس دارالحکومت کی طرف چل دیا۔

سامورائی گھر کی طرف جارہا تھا اور راستے میں اسے اپنے جرم کا احساس اس شدت سے ہورہا تھا کہ وہ بار بار اپنے آپ کو ملامت کررہا تھا۔

"میں اپنے جرم کا اعتراف کر کے اپنی معصوم بیوی سے معافی مانگوں گا۔ مجھے اُمید ہے وہ مجھے معاف کردے گی۔ اب میں اس کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں اسی کے ساتھ رہوں گا خواہ مجھے تنگدستی ہی کی زندگی کیوں نہ گذارنی پڑے۔"

وہ اپنے آپ سے دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ اس طرح مختلف خیالات میں الجھا ہوا آخر کار وہ دارالحکومت میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی وہ سیدھا اپنے پُرانے گھر کی طرف روانہ ہوگیا جہاں اس کی دنیادار بیوی نہ جانے کس حال میں تھی۔ جب وہ اپنے گھر کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا، اس کا مکان اسی حالت میں کھڑا تھا جیسا وہ اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ البتہ اس پر ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ اس کا گیٹ کھلا ہوا تھا جس کا دروازہ ہوا کے تھپیڑے کھا کھا کر بُری حالت کو پہنچ چکا تھا۔ اس کے کُنڈے زنگ خوردہ ہو چکے تھے اور اس کا ایک پٹ یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے محض اٹکا ہوا ہو اور دوسرا پٹ غائب تھا۔ مکان کی چھت پر گھاس پھونس اُگا ہوا تھا اور ہر طرف کائی جمی ہوئی تھی۔ دیواروں کی ٹائلیں جگہ جگہ سے ٹوٹی اور بکھری ہوئی تھیں اور ان کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ ویرانی برس رہی تھی۔ اس اُجاڑ مکان کو دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں آسیب بس رہے ہوں۔

جب وہ گیٹ سے داخل ہوا تو اس نے دیکھا وہ باغیچہ جو کبھی پھولوں اور ہرے بھرے پودوں سے سجا ہوتا تھا آج وہاں ویرانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہاں خوشبودار پھولوں اور پودوں کی جگہ جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک حسرت بھری نظر سے ادھر اُدھر دیکھا اور مکان کے دروازے تک آیا۔ مگر مکان کے سارے دروازے بند پڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اس مکان میں عرصے سے کوئی نہیں رہتا۔

جس وقت سامورائی اپنے گھر پہنچا تھا، وہ رات کا وقت تھا۔ یہ سال کا نواں مہینہ تھا اور چاند کی چودھویں رات تھی۔ اگرچہ چاند کافی دیر سے طلوع ہو چکا تھا، پھر بھی ہر طرف ٹھنڈک اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہر چیز چاندنی کی روشنی میں صاف دکھائی دے رہی تھی۔ موسم خزاں کی ٹھنڈی ہوا

چل رہی تھی جس سے باغیچے میں اُگی ہوئی جھاڑیاں جھول رہی تھیں۔ مکان کے اندر اور باہر، یہاں وہاں جھینگر بول رہے تھے اور ان کی آوازیں فضا کے سکوت کو توڑ رہی تھیں۔

سامورائی کچھ دیر تک محض بُت بنا اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتا رہا۔ پھر وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور خود بخود کھلنے والے دروازے کو کھول کر مکان میں داخل ہو گیا۔ اندر ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں گیا۔ اور پھر باری باری سبھی کمروں میں سے ہوتا ہوا ڈرائنگ روم میں گیا تو یکایک ٹھٹھک کے رہ گیا۔ اُسے یُوں محسوس ہوا جیسے اس کے پاؤں زمین میں گڑ کے رہ گئے ہوں۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے دیکھا، سامنے اس کی بیوی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سامورائی کے سراپا پر نظر ڈالی اور ہولے سے بولی۔

"خوش آمدید میرے پیارے شوہر ـــ!"

وہ یہ جملہ سُن کر بُت سا بنا اسے دیکھتا رہا۔

"میں ہر روز تمہاری واپسی کی اُمید رکھتی تھی ـــ"

اس نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے کہنا شروع کیا۔

"میں ہر وقت تمہیں یاد کرتی تھی۔ میں تمہاری جدائی میں تمہیں ایک پل بھی نہیں بھولی۔ مگر تم نے مجھے یاد تک نہیں کیا۔"

جب اس نے یہ الفاظ کہے، اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس کا حسین چہرہ تر و تازہ پھُول کی طرح کھِل گیا۔ سامورائی کے سان گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس کی بیوی اس محبت سے اس کا استقبال کرے گی۔ اس کی بے وفائی اور زیادتی کو نظر انداز کر کے اس سے گِلہ تک نہیں کرے گی۔ وہ تو اپنے دل میں یہ سوچے ہوئے تھا کہ بیوی اسے دیکھتے ہی بپھر جائے گی اور لعنت ملامت کرے گی، لیکن اس وقت جب اس نے بڑی محبت سے اس کو خوش آمدید کہا تو وہ ہکّا بکّا رہ گیا۔ کچھ لمحوں تک تو اس کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے تاہم پھر اس نے اپنے ہوش و حواس سنبھالے اور آہستہ سے معذرت کے انداز میں بولا

"میری پیاری بیوی! مجھے اپنی غلطی کا شدید احساس ہے ـــ واقعی میں گنا ہگار ہوں، تمہارا مجرم ہوں ـــ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے اور اب میں اپنی اسی غلطی کا ازالہ کرنے کے لئے واپس آگیا ہوں!"

اس نے دیکھا اس کی بیوی اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر ابھی تک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

یہ دیکھ کر اس کی ہمت بڑھی اور وہ کہنے لگا۔

"بہر صورت جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب ہم دوبارہ اپنے گھر میں ایک ساتھ ہیں۔ اب میں کبھی تم سے جُدا نہیں ہوں گا۔ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو ــــ میں اب دنیا میں تمہارے سوا کچھ نہیں چاہتا۔ تم ہی میرے لئے سب کچھ ہو۔ اگر مجھے تنگدستی میں بھی زندگی گذارنی پڑی تو جب بھی میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔"

جب وہ باتیں کہہ رہا تھا، اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی وفادار بیوی نے اسے معاف کر دیا ہے کیونکہ اس کے خوبصورت چہرے پر مسلسل مسکراہٹ تھی۔ وہ آہستہ سے اس کے پاس بیٹھ گیا اور معذرت کے انداز میں باتیں کرنے لگا۔ اور پھر جب رات زیادہ ہو گئی تو اس نے کہا۔

"رات کافی ہو گئی ہے اور میں سفر کا تھکا ہوا بھی ہوں ــــ اب سونا چاہیئے۔"

اور وہ دونوں اُٹھ کر اس کمرے میں چلے گئے جو ان کی خوابگاہ تھی۔ وہاں پہنچ کر جب وہ سونے کیلئے لیٹے تو اس نے یونہی بات کرنے کی غرض سے پوچھا۔

"میری پیاری بیوی ــــ کیا میری عدم موجودگی میں تم نے سارا عرصہ اسی گھر میں گذارا ہے ـ؟"

"ہاں ــــ جیسا کہ تم نے کہا میں اکیلی اسی گھر میں رہی ہوں"

اس نے جواب میں بتایا۔

"چونکہ میرے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اس لئے میں نے اپنے اخراجات کم کر لئے تھے۔ کسی ملازم کو رکھنا میرے بس سے باہر تھا چنانچہ میں سارا کام خود ہی کرتی تھی۔"

"مجھے افسوس ہے ــــ یقین جانو میں بہت شرمندہ ہوں کہ تم نے محض میری وجہ سے مصیبتیں جھیلیں۔"

اس نے ندامت سے کہا۔ اس وقت واقعی اسے انتہائی ندامت ہو رہی تھی۔ وہ اپنے دل میں سوچ رہا تھا۔

"اس بیچاری نے میری وجہ سے کتنے دُکھ برداشت کئے ہیں۔ واقعی یہ قابلِ رحم ہے۔ اس گھر میں اس اکیلی نے کتنے برس گذارے ہیں اور کس مصیبت میں گذارے ہیں۔"

وہ یہی کچھ سوچتا ہوا سو گیا۔ وہ تھکا ہوا تو تھا، لیٹنے کے تھوڑی ہی دیر بعد گہری نیند سو گیا۔

صبح سامورائی جب بیدار ہوا تو سورج طلوع ہو چکا تھا اور اس کی کرنیں دروازے کی درزوں

میں سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھیں۔ وہ جلدی سے اُٹھا اور ساتھ سوئی ہوئی بیوی کو پکار کر بولا۔

"میری پیاری بیوی ـــ اب اُٹھ جاؤ ـــ سورج نکل آیا ہے۔"

مگر اس کی بیوی نے آگے سے کوئی جواب نہ دیا۔

"اب بیدار ہو جاؤ ـــ بہت دن نکل آیا ہے۔"

اس نے دوبارہ کہا اور اس کی طرف دیکھا۔ اُف! یہ کیا ـ؟ وہ خوف سے کانپ گیا۔ اس کے ساتھ رات کو جو اس کی بیوی سوئی تھی، اس وقت وہ محض ہڈیوں کا ڈھانچہ تھی اور اس پر گوشت نام کو نہیں تھا۔ ہڈیوں کا پنجر پڑا ہوا تھا جس کے پاؤں کی ہڈیاں مسہری سے نیچے جھول رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر وہ پاگل سا ہو گیا اور بدحواس ہو کر باہر کی طرف بھاگا۔ وہ اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھولنے کی بجائے اسے توڑتا ہوا باہر نکل گیا اور آجڑے ہوئے باغیچے میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے باہر جا کر ٹوٹے ہوئے دروازے میں سے دیکھا تو ہڈیوں کا ڈھانچہ ابھی تک وہیں پڑا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر تک دہشت زدہ وہیں کھڑا رہا۔ بالکل ساکت و جامد ـــ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا ـــ

"یہ سب کچھ کیا ہے ـــ؟ یہ کیسا معمّہ ہے ـ؟"

وہ خوف سے کانپتا ہوا سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس کے حواس درست ہوئے تو وہ اپنے مکان کے پڑوس میں رہنے والے ایک آدمی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا۔

"کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ اس ساتھ والے مکان میں کون رہتا ہے ـــ؟"

جواب میں پڑوسی نے ایک لمحہ بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔

"اس مکان میں ـــ؟ کیا تم اس مکان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ـــ؟"

"نہیں ـــ میں نہیں جانتا ـــ اسی لیے تم سے پوچھ رہا ہوں ـــ؟"

اس نے حیرت سے پڑوسی کی جانب دیکھا ـــ

اچھا یہ بات ہے ـ تو پھر میں تمہیں اس مکان کی کہانی سناتا ہوں ـــ"

اس آدمی نے کہنا شروع کیا۔

"آج سے کئی برس پہلے اس مکان میں ایک غریب سامورائی اور اس کی حسین و جوان بیوی رہتے تھے۔ وہ دونوں غریب ہونے کے باوجود ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔

ایک روز ہوا یہ کہ ساموارئی ملازمت حاصل کرنے اور اپنی کھوئی ہوئی حیثیت بحال کرنے کی غرض سے ایک دور دراز صوبے میں چلا گیا۔ وہ اپنی بیوی کو یہیں چھوڑ گیا تھا جو اسے بہت پیار کرتی تھی اور جو بہت نیک دل عورت تھی۔ بہت سے سال گزر گئے مگر اس ساموارئی نے نہ تو اپنی بیوی کو کوئی پیسہ دھیلا بھیجا نہ ہی اسے کوئی خط تحریر کیا اور نہ اس کی خبر لی کہ وہ بیچاری کس حال میں ہے۔؟ یہ عورت بڑی قابلِ رحم حالت میں یہاں رہتی تھی اور انتہائی مفلسی میں زندگی گزارتی تھی۔ اسے صرف اپنے شوہر کا انتظار تھا اور وہ اسی انتظار میں تھی کہ شاید کبھی نہ کبھی اس کے شوہر کی طرف سے کوئی خط آجائے یا وہ خود ہی واپس آجائے ۔۔۔"

"مگر پھر کیا ہوا ۔۔ ؟ مجھے جلدی سے اس عورت کے بارے میں بتاؤ ۔۔ ؟"

ساموارئی نے بے صبری سے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں تمہیں اسی کے متعلق بتا رہا ہوں ۔ تم سنو ۔۔"

اس آدمی نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"کچھ عرصہ بعد پاس پڑوس میں یہ افواہ پھیل گئی کہ ساموارئی وہاں جا کر عیش و عشرت میں پڑ گیا ہے۔ اس کو وہاں اچھی ملازمت مل گئی ہے اور ایک دوسری عورت کے ساتھ گلچھرے اڑا رہا ہے۔ اسے اپنی با وفا بیوی کی بھی کوئی فکر نہیں ہے اور وہ اس غریب کو پیسے بھی نہیں بھیجتا۔ وہ عیش میں پڑ کے اسے بالکل فراموش کر بیٹھا ہے ۔۔ آہ! وہ بدنصیب عورت ۔!"

وہ آدمی ایک ٹھنڈی آہ بھر کے بات کرتے کرتے رک گیا اور لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد پھر کہنے لگا۔

"ساموارئی کے بارے میں جب یہ خبر اس کی بیوی کو ملی تو وہ غم سے نڈھال ہو گئی۔ اسے اسقدر صدمہ ہوا کہ وہ بیمار پڑ گئی۔ اس کی بیماری اسقدر شدید صورت اختیار کر گئی کہ آخر وہ اللہ کو پیاری ہو گئی۔ بیچاری غریب عورت شوہر کی بے وفائی کی وجہ سے موت کے منہ میں چلی گئی۔"

"مرنے کے بعد کیا ہوا ۔؟"

ساموارئی نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"ہوا کیا تھا ۔۔ ؟"

اس آدمی نے سوالیہ نظروں سے ساموارئی کی جانب دیکھا اور بولا۔

"اس بدنصیب کا نہ تو کوئی رشتہ دار تھا اور نہ ہی کوئی دوست تھا جو اس کے کفن دفن کا انتظام کرتا۔ چنانچہ اس کی میّت اسی اندھیرے گھر کے ایک کمرے میں پڑی رہی اور اسے کسی نے چھوا تک بھی نہیں۔ وہ اسی طرح پڑی رہی جس حالت میں اس کا انتقال ہوا تھا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا، کسی کو اس کا علم نہیں۔ اس بات کو بھی کافی عرصہ گذر چکا ہے"۔

اس زمانے کے لوگ ایک دوسرے سے یہ کہتے تھے کہ جب طویل عرصہ کے بعد سامورائی واپس آیا تو اس کی بیوی کی روح اس کا استقبال کرنے کے لئے آئی تھی۔ چونکہ اسے اپنے شوہر سے ملنے کی بڑی تمنّا تھی اس لئے جب اس کا شوہر آیا تو وہ اسے ملنے کے لئے آ گئی تھی۔



اجنبی نوجوان



یہ آج سے صدیوں پہلے کی بات ہے — جاپان میں کسی جگہ ایک نہایت حسین و جمیل شہزادی رہتی تھی۔ یہ شہزادی اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی یہی وجہ تھی کہ ملکہ اور بادشاہ اس سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے وہ اس کی دیکھ بھال پر خاص طور پر توجہ دیتے اور اس کے آرام اور راحت کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔ شہزادی کی خدمت کے لیے خادمائیں موجود تھیں جو ہر وقت اس کے پاس رہتیں اور اس کے ہر اشارے پر حکم بجا لاتیں۔ اس طرح شہزادی بڑی پُرمسرت زندگی گزار رہی تھی۔

ایک رات شہزادی اپنی خوابگاہ میں لیٹی ہوئی تھی کہ اچانک ایک خوبصورت نوجوان اس کی خوابگاہ میں داخل ہوا اور اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ جونہی شہزادی نے اسے دیکھا وہ گھبرا گئی اور پیچھے سمٹ کر پوچھنے لگی۔

"تم کون ہو — اور میری خوابگاہ میں کیوں داخل ہوئے ہو — ؟"

"میں اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں — !"

نوجوان نے لبوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہیں معلوم ہے اگر کسی کو پتہ چل گیا تو تمہارا کیا حشر ہوگا — ؟"

شہزادی قدرے غصے میں بولی۔

"مجھے معلوم ہے مگر میں مجبور تھا — میں ایک بار پھر اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں"

نوجوان اتنا کہہ کر سر جھکا کے خاموش کھڑا ہو گیا۔ اور پیشتر اس کے کہ شہزادی کچھ اور کہتی وہ آہستہ سے بولا۔

"دراصل میں ایک عرض کرنے آیا ہوں — !"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو ــــ؟ جو کچھ کہنا ہے جلدی سے کہو ــــ؟"

جونہی شہزادی نے اس کو اجازت دی اس نے ایک بار پھر سر کو جھکایا اور دھیمے لہجے میں بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے شادی کرلو ــــ!"

جیسے ہی نوجوان نے یہ جملہ کہا شہزادی نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"تمہیں ایسی بات کہنے کی جرأت کیسے ہوئی ــــ؟"

مگر نوجوان نے شہزادی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اسی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔ شہزادی نے اسے نظریں بھر کے دیکھا تو واقعی نوجوان خوبصورت تھا۔ اس وقت غصّے کے باوجود وہ اسے اچھا لگ رہا تھا۔ وہ چند لمحوں تک اسے دیکھتی رہی اور پھر آہستہ سے بولی۔

"ایک شریف لڑکی اپنے ماں باپ کی مرضی کے بغیر اس قسم کی پیش کش کیسے قبول کرسکتی ہے؟ اور پھر تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں ایک شہزادی ہوں۔"

نوجوان ابھی تک خاموش کھڑا تھا اور شہزادی کی طرف محبت بھری نظروں سے مسلسل دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے لئے بہتر یہی ہوگا کہ تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ ــــ اگر پہریداروں کو پتہ چل گیا تو تمہاری جان کی خیر نہیں!"

شہزادی نے قدرے سخت لہجہ میں کہا اور نوجوان خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔

نوجوان اس وقت تو شہزادی کے کمرے سے چلا گیا مگر اگلی رات پھر آگیا۔ وہ اسی طرح شہزادی کی خوابگاہ میں آیا اور اس سے شادی کی درخواست کی۔ شہزادی نے پھر اسے ڈانٹ دیا۔ لیکن وہ مایوس نہ ہوا اور اس سے اگلی رات پھر آگیا۔ اس طرح اب اس کا یہ معمول بن گیا تھا۔ کہ وہ ہر رات، جب شہزادی اپنی خوابگاہ میں اکیلی ہوتی اس کے پاس پہنچ جاتا اور اسے شادی کی پیشکش کرتا۔ اگرچہ شہزادی پہلے کی طرح انکار کردیتی لیکن اب اس کا لہجہ بدل گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اب اس کے دل میں بھی نوجوان کے لئے محبت پیدا ہوگئی تھی مگر اس نے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ تاہم اب وہ اس کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آتی تھی۔ ہر رات نوجوان اس سے شادی کیلئے کہتا تو وہ دھیمے لہجے میں کہتی۔

"ماں باپ کی مرضی بغیر میں کیسے ہاں کر سکتی ہوں۔!"

"پھر تم ان سے بات کیوں نہیں کرتیں۔؟"

"میں اس قسم کی بات کیسے کر سکتی ہوں۔؟ میرے ماں باپ میرے بارے میں کیا سوچیں گے؟"

اس پر نوجوان اسے مشورہ دیتا۔

"شہزادی! اگر تمہارے ماں باپ کو ہمارا راز معلوم ہو جائے تو مجھے یقین ہے وہ اس کی مخالفت نہیں کریں گے۔ تم ان سے بات کر کے تو دیکھو۔؟"

اگرچہ نوجوان کے مسلسل اصرار کے باوجود شہزادی نے ابھی تک خود اس کی پیش کش قبول نہیں کی تھی لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اب راز کو زیادہ دیر تک چھپانا اس کی بس سے باہر ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ آخر ایک روز اس نے دل سے مجبور ہو کر ڈرتے ڈرتے اپنے ماں باپ سے کہا۔

"ایک نوجوان ہر رات میری خوابگاہ میں آتا ہے اور مجھ سے شادی کی درخواست کرتا ہے۔"

ماں باپ اس کی بات سُن کر بڑے حیران ہوئے۔ پہلے تو انہیں شہزادی کی اس بات پر یقین ہی نہیں آیا۔ کہنے لگے۔

"اسقدر سخت پہرے میں رات کو کوئی نوجوان تمہاری خوابگاہ میں کیسے آسکتا ہے! محل کا کوئی کونا ایسا نہیں ہے جہاں پہریدار مقرر نہ ہوں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے۔؟"

مگر جب شہزادی نے انہیں ساری بات بتائی تو انہیں یقین آگیا مگر وہ کہنے لگے۔

"محل میں اسقدر سخت پہرا ہے کہ کوئی عام آدمی اندر نہیں آسکتا۔ اگر یہ پُراسرار نوجوان ہر رات تمہاری خوابگاہ میں آسانی سے آجاتا ہے تو یقیناً یہ کسی دیوتا کا رُوپ ہے۔ کوئی دیوتا نوجوان کے رُوپ میں تمہارے پاس آتا ہے۔"

شہزادی نے جب اپنے ماں باپ سے یہ سنا کہ وہ نوجوان کسی دیوتا کا رُوپ ہے تو وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی۔ چنانچہ اسی رات سے اس نے اپنے آپ کو اس اجنبی نوجوان کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد سے وہ اسی طرح ہر رات دونوں ملتے تھے مگر تعجب کی بات یہ تھی کہ شہزادی ابھی تک نوجوان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ وہ کون ہے۔ کہاں رہنے والا ہے۔؟ اس

کا عہدہ کیا ہے ۔ ؟ یہاں تک کہ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس کا نام کیا ہے ۔ ؟

دن گذرتے گئے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ شہزادی کی یہ جستجو بڑھتی گئی کہ وہ نوجوان کے متعلق کچھ معلوم کرے ۔ آخر ایک رات حسبِ معمول جب نوجوان اس کے پاس آیا تو وہ بڑے پیار سے کہنے لگی ۔

" ہمیں اتنا عرصہ ہو چکا ہے ملتے ہوئے مگر تم نے ابھی تک مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ تم کون ہو کہاں رہتے ہو اور کیا کرتے ہو ۔ ؟ میں کچھ بھی تو نہیں جانتی ۔۔ ؟ "

نوجوان اس کی بات سُن کر مسکرایا تو وہ کہنے لگی ۔

" کیا یہ اچھا نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کو اپنے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیں ۔۔ ؟ "

جواب میں نوجوان بولا ۔

" میں وہ ہوں کہ ہر وقت تمہارے قریب رہتا ہوں ۔۔ کیا صرف اتنا ہی جان لینا کافی نہیں ہے ۔۔ ؟ "

" آخر اس میں ہرج ہی کیا ہے ۔۔ ؟ ویسے بھی اب تمہیں مجھ سے کچھ چھپانا نہیں چاہیئے ۔ ہم دونوں میں کوئی راز نہیں رہنا چاہیئے ۔۔ ؟ "

شہزادی اصرار کرتے ہوئے بولی ۔ اس پر نوجوان نے کہا ۔

اگر تم میرے بارے میں کچھ جاننے کے لئے اسقدر مصر ہو تو کل صبح اپنی اس چھوٹی بوتل میں جھانک کر دیکھنا جس میں تیل ہے ۔ اگر تم اس میں دیکھو گی تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میں کون ہوں ۔"

" بوتل میں جھانک کر دیکھوں ۔۔ ؟ "

شہزادی نے بڑے تعجب سے اس کی طرف دیکھا ۔

" ہاں ۔۔ تیل والی چھوٹی بوتل میں ۔۔ ! "

نوجوان نے اتنا کہہ کر شہزادی کی طرف دیکھا اور پھر بولا ۔

" مگر ایک بات یاد رکھنا بوتل میں تمہیں جو کچھ بھی نظر آئے اسے دیکھ کر نہ گھبرانا اور نہ خوفزدہ ہونا ۔۔ اگر تم اسے دیکھ کر خوفزدہ ہو گئیں تو میں ہمیشہ کے لئے تم سے جُدا

ہو جاؤں گا۔"

شہزادی نوجوان کی یہ عجیب و غریب بات سُن کر اور بھی حیران ہوئی۔ اس میں کیا راز ہے؟ وہ بار بار سوچ رہی تھی۔ بہرصورت اس نے وعدہ کیا۔

"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ میں خوفزدہ نہیں ہوں گی خواہ بوتل میں کچھ بھی کیوں نہ نظر آئے۔

پھر جب صبح ہوئی تو شہزادی کا اشتیاق اور بڑھ گیا۔ وہ جلدی سے اپنے اس کمرے میں گئی جہاں تیل کی چھوٹی بوتل رکھی ہوئی تھی۔ اس نے بوتل ہاتھ میں لی اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس کا ڈھکنا کھولنے لگی ۔۔۔ مگر یہ کیا ۔۔۔؟ جونہی اس نے بوتل کا ڈھکنا کھول کر اس کے اندر دیکھا تو اس کی تہہ میں ایک بہت چھوٹا سا سفید سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ سانپ کو دیکھتے ہی شہزادی حواس باختہ ہوگئی۔ وہ اسقدر خوفزدہ ہوئی کہ سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ اس نے گھبرا کے بوتل فرش پر پھینک دی اور بے تحاشا بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

درصل وہ چھوٹا سا سفید سانپ ہی اس کا محبوب تھا مگر شہزادی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا یہ سب کچھ کیا ہے ۔۔۔؟ وہ خوف سے کانپتی ہوئی سوچ رہی تھی۔

جب رات آئی تو حسب معمول نوجوان اس کے کمرے میں آیا لیکن آج اس کے رویئے میں تبدیلی تھی۔ نہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور نہ پیار کی جھلک نظر آرہی تھی۔ وہ اس کے قریب بھی نہیں آیا اور دُور ہی کھڑا رہا۔ دوسری طرف شہزادی بڑے تعجب میں تھی کہ:

"یہ آج اسے کیا ہو گیا ہے ۔۔۔؟"

نوجوان نے بڑی سرد مہری سے دھیمے لہجے میں کہا۔

"میری پیاری شہزادی! تم نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ بوتل میں دیکھ کر ڈرو گی نہیں مگر ایسا نہیں ہوا اور تم خوفزدہ ہو گئیں ۔۔۔!"

وہ لمحہ بھر کے لئے خاموش ہوا اور پھر کہنے لگا۔

مجھے افسوس ہے ۔۔۔ جیسا کہ میں نے کہا تھا، اب میں ہمیشہ کیلئے تم سے جُدا ہو رہا ہوں۔۔۔!

اتنی بات کہہ کر وہ وہاں سے چلنے ہی والا تھا کہ شہزادی نے لپک کر اس کی کلائی پکڑ لی اور روتے ہوئے بولی۔

"مجھے معاف کر دو ـــ مجھے معاف کر دو ـــ میں قسم کھاتی ہوں کہ پھر کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گی۔ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ ـــ میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں"

شہزادی نے نوجوان کو روکنے کی بڑی کوشش کی۔ وہ بہت روئی، منتیں کیں مگر بے سود۔ نوجوان نے ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑا لی اور وہاں سے غائب ہو گیا۔

شہزادی کیلئے اس کی جدائی برداشت کرنا مشکل تھا۔ وہ اس کے عشق میں اسقدر گرفتار ہو چکی تھی کہ اب اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس نے مایوسی کے عالم میں ایک نوکدار تیز چاپ اسٹک اٹھائی اور اپنے سینے میں گھونپ دی۔ چاپ اسٹک سیدھی جا کر اس کے دل میں کھب گئی اور اس نے وہیں جان دے دی۔

جب بادشاہ اور ملکہ کو یہ معلوم ہوا کہ اس نے خودکشی کر لی ہے تو وہ دل پکڑ کر بیٹھ گئے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔؟ آخر انہوں نے اس کی میت نارا کے قریب دفن کر دی ـــ کہا جاتا ہے کہ جہاں اس شہزادی کو دفن کیا گیا تھا وہاں ایک لوح مزار نصب کر دی گئی تھی جسے بعد میں لوگ "ہاشی نوہا کا" کے نام سے پکارنے لگے تھے جس کے معنی ہیں "چاپ اسٹک کا مزار ـــ!"

(چاپ اسٹک لکڑی کی ان ڈنڈیوں یا موٹی تیلیوں کو کہتے ہیں جن سے چینی اور جاپانی لوگ کھانا کھاتے ہیں۔ اسے جاپانی یا چینی کانٹا بھی کہا جاسکتا ہے)



آئینے کا راز



اگلے وقتوں کی بات ہے۔ جاپان میں ایک نوجوان رہتا تھا جس کا نام ہایا سوکے تھا۔ یہ نوجوان ایک جاگیردار متسوموتو کے پاس ملازم تھا اور نیزہ بازی سکھانے پر مامور تھا۔ ہایا سوکے انتہائی دیانتدار اور نیک دل تھا، یہی وجہ تھی کہ اس کا مالک اسے بہت چاہتا تھا۔ اسے نیزہ بازی میں کمال حاصل تھا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ بانسری بجانے میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ یہ بہ اس کا شوق تھا۔ جب بھی کبھی وہ فرصت میں ہوتا بانسری سے اپنا دل بہلاتا اور جو بھی کوئی اس کی بانسری سنتا مست ہو جاتا۔ اس طرح اس کی بانسری کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

ہایا سوکے ہمیشہ اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا ڈبا رکھتا تھا جس کی وہ بڑی احتیاط کرتا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ہر وقت ڈبا اس کے پاس رہتا تھا۔ لوگ اس کے پاس یہ ڈبا دیکھتے اور دل ہی دل میں سوچتے۔

"نہ جانے اس میں کیا ہے۔ یقیناً اس میں کوئی خاص چیز بند ہے۔"

وہ اس سے سوال کرتے تو ہایا سوکے صرف یہ کہہ کر ٹال دیتا۔

"اس میں ایک بہت قیمتی چیز بند ہے۔"

اس نے آج تک یہ ڈبا کھول کر کسی کو نہیں دکھایا تھا۔ دکھانا تو رہا ایک طرف وہ تو اس کو ہاتھ بھی لگانے نہیں دیتا تھا۔ یہی سبب تھا ہر شخص اس کا ڈبا کھول کر دیکھنے کا مشتاق تھا۔ ان لوگوں میں متسو قبیلے کا ایک جنگجو نوجوان بھی تھا۔ وہ نیزہ بازی کی ان مشقوں میں شریک ہونے آتا تھا جو جاگیردار متسوموتو کے حکم سے ہوتی تھیں اور جہاں ہایا سوکے لوگوں کو یہ فن سکھاتا تھا۔ یہ نوجوان بھی اس جستجو میں تھا کہ کسی طرح ہایا سوکے کا ڈبا کھول کر دیکھے کہ اس میں کیا بند ہے۔ وہ ہر وقت اسی تاک میں لگا رہتا تھا۔ ایک وہی نہیں بلکہ جاگیردار کے پاس جتنے لوگ ملازم تھے ان سب کی یہی خواہش اور کوشش تھی کہ کسی روز ہایا سوکے کا ڈبا کھول کر دیکھیں

لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ اپنے ڈبے کو لمحہ بھر کے لئے بھی خود سے جدا نہیں کرتا تھا۔ ہر وقت بڑی احتیاط سے اسے اپنے پاس رکھتا تھا۔ آخر ایک روز دوسرے ملازموں نے آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ :۔

"چاہے کچھ بھی ہو ـــ ہمیں کسی نہ کسی طرح ڈبا کھول کر اس کا راز معلوم کرنا چاہئیے۔؟"

اور پھر ایک روز ـــ اتفاق سے ہایاسو کے کو اونگھ آگئی ـــ وہ بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ اس کے ساتھیوں کے لئے یہ موقع غنیمت تھا۔ وہ ایک دوسرے کے کان میں کہنے لگے ۔

"یہی موقع ہے ـــ ہمیں ڈبا کھول کر دیکھنا چاہیئے!"

انہوں نے آہستہ سے اس کا ڈبا اپنی جانب سرکایا اور اسے کھول کر دیکھا ـــ مگر یہ کیا ـــ؟ وہ سب کے سب مایوس ہو کر ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ اس ڈبے میں ایک چھوٹا سا آئینہ تھا اور کچھ بھی نہیں ـــ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ہایاسو کے اس چھوٹے سے آئینے کی اسقدر حفاظت کیوں کرتا ہے۔؟ اس میں ایسی کون سی بات ہے۔؟

دوسری طرف جب ہایاسو کے نیند سے بیدار ہوا تو اسے پتہ چلا کہ اس کے ساتھیوں نے اس کا ڈبا کھول کر دیکھ لیا ہے وہ بہت ناراض ہوا۔ اس نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا :۔

"تم لوگوں نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے ـــ تم لوگ قابلِ اعتماد نہیں ہو۔"

پھر وہ نوجوان جنگجو کو مخاطب کرتے ہوئے بولا ۔

"تم نے بددیانتی کی ہے ۔تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔"

جواب میں نوجوان معذرت کرتے ہوئے کہنے لگا ۔

"ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہے ـــ تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔"

اس کے بعد جب ہایاسو کے کا غصہ کم ہوا تو سب اس سے پوچھنے لگے ۔

"ہمیں یہ بتاؤ، آخر تم اس چھوٹے سے آئینے کی اسقدر حفاظت کیوں کرتے ہو۔ اس میں کیا راز ہے ـــ؟"

ہایاسو کے نے ان کی بات سُنی اور پھر دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

یہ ٹھیک ہے کہ اب تک میں اس آئینے کو ایک راز کی طرح رکھتا تھا لیکن اب چونکہ تم لوگوں نے اسے دیکھ لیا ہے اسلئے اب یہ کوئی راز نہیں رہا چنانچہ اب میں تمہیں اس کے بارے سب کچھ

بستا تا ہوں!"

اتنا کہہ کر وہ تھوڑی دیر کے لیئے خاموش ہوگیا اور پھر اس آئینے کی کہانی سُناتے ہوئے کہنے لگا۔

میں اپنی جوانی کے زمانے میں، بانسری بجانے کا بہت شوقین تھا۔ ایک رات ہوا یہ کہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ پہاڑ سیکوتین کی طرف روانہ ہوگیا تاکہ چاند کی چاندنی میں پہاڑ پر بانسری بجانے کا لطف اٹھایا جائے۔ یہ موسم خزاں کے آخری دن تھے۔ ہم دونوں شبنم میں بھیگے ہوئے پہاڑی علاقہ میں اِدھر اُدھر گھومتے رہنے۔ ہر طرف پتوّں سے خالی درخت دکھائی دے رہے تھے۔ اور میں بانسری بجانے میں محو تھا۔ اس وقت اس سُنسان ماحول میں میری بانسری کی آواز گونج رہی تھی اور میں بانسری کی دُھن میں اسقدر کھویا ہوا تھا کہ مجھے کسی اور بات کا ہوش تک نہ تھا۔ اسی دوران میں میرے دوست نے مجھ سے کہا:۔

"بہت دیر ہوگئی ہے ـــ چلو واپس چلتے ہیں۔!"

مگر میں نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور بدستور بانسری بجانے میں مصروف رہا۔ یہاں تک کہ میرے دوست نے پھر مجھ سے کہا۔

"اگر تم نہیں جا رہے ہو تو میں اکیلا جا رہا ہوں"

اور وہ مجھے وہاں چھوڑ کر چلا گیا۔

یہاں تک بیان کرنے کے بعد ہاپاشو کے رک گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا تو ان میں سے ہر ایک۔ بڑے غور سے اس کی دلچسپ کہانی سُن رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے پھر اپنی کہانی شروع کی اور کہنے لگا۔

"میرا دوست چلا گیا اور میں اسی طرح محویت میں بانسری بجا رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے میری ٹانگیں پکڑ لیں۔ جن ہاتھوں نے میری ٹانگیں پکڑ رکھی تھیں وہ برف سے بھی زیادہ ٹھنڈے تھے۔ جونہی یہ شدید ٹھنڈے ہاتھ میری ٹانگوں کو لگے میں چونک پڑا اور گھبرا کے پیچھے کی طرف دیکھا۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی ـــ میرے پیچھے ایک حسین و جمیل عورت زمین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے بالکل سفید لباس پہن رکھا تھا اور اس کی دراز زلفیں شانوں سے نیچے لٹک رہی تھیں۔ اس وقت اس کا چہرہ زرد

ہورہا تھا- اور اس کی آنکھوں میں حسرت ویاس تھی۔

"تم کون ہو ــــ ؟"

میں نے اس سے سوال کیا- جواب میں وہ آہستگی سے بولی۔

"میں بھوت ہوں ــــ !"

"بھوت ــــ ؟"

میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں ــــ میں ایک بھوت ہوں!"

اس نے اسی طرح اطمینان سے کہا۔

"کیا تمہیں بھوت سے خوف محسوس نہیں ہوا ــــ ؟"

سُننے والوں میں سے اچانک ایک نے سوال کر کے ہایاسوکے کی بات کاٹ دی- اس پر ہایاسوکے نے چہرہ اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا- دوسرے لوگ بھی اس کی طرف دیکھنے لگے- جیسے اس کا ٹوکنا انہیں اچھا نہ لگا ہو ــــ

یہ دیکھ کر وہ قدرے جھینپ گیا اور اپنی بات کو دہراتے ہوئے بولا۔

"میری مراد ہے، بھوت دیکھ کر تمہیں خوف تو ضرور ہوا ہوگا ــــ ؟"

"نہیں ــــ مجھے اس سے کوئی خوف یا ڈر محسوس نہیں ہوا تھا ــــ"

ہایاسوکے نے پھر سے اپنی کہانی بیان کرتے ہوئے کہا۔

"دراصل جوانی میں مجھے ایسی باتوں سے خوف نہیں آتا تھا ــــ میں بڑا جی دار اور نڈر ہوا کرتا تھا۔ میں نے کسی خوف کے بغیر اس عورت سے کہا۔

تم مجھے اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤ کہ تم بھوت کیسے بن گئیں ــــ ؟"

اس کے جواب میں اس عورت نے اپنی داستان بیان کی اور کہا۔

"میں متسو شہر کے ایک تاجر کی بیوی ہوں۔ میرا شوہر بدکردار ہے اور اپنی خواہش پوری کرنے کے سلسلے میں بڑا فضول خرچ ہے- وہ پہلے تو دوسری عورتوں کے ساتھ ہنستا اور رنگ رلیاں مناتا تھا لیکن پھر وہ اپنی ایک داشتہ کو اپنے ساتھ گھر لے آیا جو ہمارے ساتھ گھر میں

رہنے لگی۔ یہ عورت بدطینت اور دل کی بہت بری تھی اور مجھ سے نفرت کرتی تھی ___ ایک روز ہوا یہ کہ میں کنوئیں سے پانی نکال رہی تھی کہ اس نے مجھے پیچھے سے دھکا دیکر کنوئیں میں گرادیا۔ اس طرح اس نے مجھے ہلاک کردیا۔ اور واپس جاکر یہ بات اُڑادی کہ میں نے کنوئیں میں کود کر خودکشی کرلی ہے۔ چنانچہ اب وہ میرے شوہر کی قانونی بیوی بن چکی تھی۔"

اتنا کہہ کر اس عورت نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا ___

"تم میری مجبوری اور غصے کا اندازہ کرسکتے ہو کہ میرا کیا حال ہوا ہوگا ___؟"

اس وقت اس کے چہرے پر غصے کے آثار تھے۔ اس نے اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

"کسی نہ کسی روز وہ ضرور میرے قابو میں آئے گی اور میں اس سے اپنا انتقام لوں گی!"

پھر وہ چند لمحے خاموش رہی اور بڑی حسرت بھرے لہجے میں بولی۔

"مجبوری یہ ہے کہ میں اس کے گھر میں داخل نہیں ہوسکتی ___ اس نے اپنے گھر کے دروازے کی دہلیز پر ایک ایسا تعویذ باندھ رکھا ہے جس کی وجہ سے کوئی بھوت گھر میں نہیں جاسکتا ___!"

اتنا کہہ کر اس نے منت کے لہجے میں مجھ سے کہا۔

"میں چاہتی ہوں کہ کوئی شخص دروازے سے وہ تعویذ ہٹادے۔ میں نے بہت سے لوگوں سے یہ درخواست کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ اس تعویذ کو وہاں سے ہٹادیں مگر وہ میری بات سننے سے پہلے ہی مجھ سے خوفزدہ ہو کر بھاگ جاتے ہیں۔ کسی نے میرا یہ کام نہیں کیا ___ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آج رات تم مل گئے ہو ___ میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ تم میرا یہ کام کردو ___؟"

اس عورت کی یہ بات سن کر میں کچھ سوچ میں پڑ گیا تاہم پھر میں نے اس کا کام کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ میں اس کے کام کے لئے آمادہ ہوں تو اپنے شوہر کا نام بتا کر بولی۔

"میرے شوہر کا گھر اوداماکی۔چو میں ہے۔"

اتنا کہنے کے ساتھ ہی وہ ایک آئینہ مجھے دیکر کہنے لگی۔

"میں اپنے قابلِ اعتماد اور سچا ہونے کے ثبوت میں، تمہیں یہ آئینہ دے رہی ہوں۔ میں اسے صرف اس وقت استعمال کرتی ہوں جب کبھی اپنے دانت سیاہ کرتی ہوں۔ اور اس میں میری روح بند ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے یہ چھوٹا سا آئینہ میرے سپرد کردیا۔ میں نے اس سے آئینہ لے لیا اور اسے یقین

دلاتے ہوئے کہا۔

"تم جیسا چاہتی ہو، میں ویسے ہی کروں گا۔"

میں نے ابھی اپنا جملہ پورا ہی کیا تھا کہ اچانک وہ عجیب و غریب عورت غائب ہو گئی۔ میں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں مگر وہ کہیں دکھائی نہ دی۔ لہٰذا میں پہاڑ سے نیچے اُتر آیا اور داماکی۔ چوکی جانب چل دیا۔ راستے میں ناکا ہارا آیا، میں وہاں سے بھی گزر گیا، پھر دستے آیا۔ میں نے اسے بھی پار کیا اور آخر کار داوداماکی چوہ پہنچ گیا۔ وہاں جا کر میں اِدھر اُدھر گلیوں میں اس عورت کے شوہر کا گھر تلاش کرنے لگا۔ ہر گھر کو غور سے دیکھتا، ہر دروازے پر نظریں دوڑاتا۔ یہاں تک کہ میں ایک ایسے گھر کے سامنے پہنچ گیا جس کے دروازے پر تعویذ بندھا ہوا تھا۔ جیسے ہی میں وہاں گیا میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر وہ تعویذ اُتار لیا اور جلدی جلدی قدم اُٹھاتا ہوا وہاں سے پلٹا۔ لیکن ابھی میں مشکل سے دس قدم ہی چلا ہوں گا کہ یکایک اس کے اندر سے ایک شور سا سنائی دیا اور ایک آدمی بڑی گھبراہٹ میں بھاگتا ہوا باہر آیا۔ میں نے ٹھٹک کر اس سے پوچھا۔

"کیا ہوا ۔۔۔؟ یہ شور کیسا ہے ۔۔۔؟ تم اتنے گھبرائے ہوئے کہاں جا رہے ہو ۔۔۔؟"

جواب میں اس آدمی نے اسی گھبراہٹ میں بھاگتے ہوئے کہا۔

"گھر کی مالکہ اچانک شدید بیمار ہو گئی ہے اور میں ڈاکٹر کو بلانے جا رہا ہوں۔" پیشتر اس کے کہ بابا سوکے اس سے کوئی اور سوال کرتا وہ آدمی بھاگتا ہوا دُور جا چکا تھا۔

اس واقعہ کے کچھ دیر بعد میں نے اس گھر کے پاس پڑوس والوں سے حالات معلوم کیے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ گھر کی مالکہ کسی عجیب و غریب بیماری کی وجہ سے مر گئی ہے۔ اس کی حالت ایسے تھی جیسے اس کا کوئی سینہ چیر رہا ہو۔ وہ بُری طرح تڑپ رہی تھی۔ اسے دوا دینے کی کوشش کی گئی مگر اس نے کسی قسم کی دوا کھانے پینے سے انکار کر دیا۔ اور تڑپ تڑپ کر مر گئی ۔۔۔ جب وہ تڑپ رہی تھی تو بار بار کہہ رہی تھی۔

"میں غلطی پر تھی، مجھے معاف کر دو ۔۔۔ میں غلطی پر تھی، مجھے معاف کر دو!"

بابا سوکے نے اپنی کہانی ختم کی تو دیکھا، ہر شخص تصویر بنا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سب کے سب اس طرح خاموش تھے جیسے پتھر کے ہو گئے ہوں۔ بابا سوکے نے ایک نظر سب پر دوڑائی اور پھر ہولے سے بولا۔

"میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ جو آدمی جس طرح دوسروں کے ساتھ پیش آئے گا، خود اس کے

ساتھ بھی ویسا ہی کچھ ہوگا۔ وہ جیسا کرے گا ویسا ہی بھرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت سے آج تک میں یہ آئینہ اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ یہ مجھے ہر وقت اس بات کی تنبیہہ کرتا رہتا ہے کہ کسی کے ساتھ بُرائی نہ کی جائے!"

جونہی ہایاسوکے نے اپنی کہانی پوری کی، وہ نوجوان جس نے اس کا ڈبا کھولا تھا آگے بڑھا اور معذرت کرتے ہوئے ہایاسوکے سے کہنے لگا۔

"مجھے معاف کردو۔ میں نے غلطی کی ہے۔ مجھے تمہارا ڈبا نہیں کھولنا چاہیے تھا۔ مجھے معاف کردو۔!"



گیتوں کے مزار



جاپان کی یہ کہانی آج سے صدیوں پہلے کی ایک رات سے تعلق رکھتی ہے۔ اس رات آسمان کھلا ہوا تھا اور کہیں بادل کا ایک ٹکڑا بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ آدھی رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ مسودا دریا کے ساتھ ساتھ بہت سے گاؤں آباد تھے جن کے ارد گرد کھیتوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ دریا بڑی خاموشی سے بہہ رہا تھا اور چاروں طرف سکوت، چھایا ہوا تھا۔ اس وقت ٹھنڈی چاندنی دریا، گاؤں اور کھیتوں پر دودھ کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ اس خاموش ماحول میں لوگوں نے سُنا تو کوئی بڑی سُریلی اور دردناک آواز میں گا رہا تھا۔ یہ آواز مشہور گانے والے نوجوان جن ساکو کی تھی جو دریا کے دوسری طرف گاؤں تسو کا نوموار میں گا رہا تھا اور اس کے گیت کے بول دریا کی لہروں پر بہتے ہوئے آ رہے تھے۔

جونہی گاؤں تسو کا واموار کے رہنے والوں نے جن ساکو کے گانے کی آواز سُنی وہ چونک پڑے وہ اس کی آواز پہچان گئے تھے۔ کیونکہ وہ اس کی پُرسوز آواز اور سُریلی آواز اس سے پہلے بھی کئی بار سُن چکے تھے۔ جب بھی دھان کی بوائی کا موسم آتا تو چاندنی راتوں میں یہی آواز فضا میں گونجتی تھی۔ سب لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

”سُنو سُنو۔ آج رات پھر جن ساکو گا رہا ہے۔ اس کی آواز کس قدر درد بھری اور میٹھی ہے۔“

جب بھی چاندنی راتیں آتیں جن ساکو اسی طرح چاند کو مخاطب کر کے گیت گایا کرتا تھا۔ اس کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ جب وہ گیت گا رہا ہوتا تو اس کی محویت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ اپنے پاس سے گزرنے والوں سے بھی بے خبر ہو جاتا۔ وہ اپنے گیتوں کی دھن میں اس قدر کھو جاتا کہ اسے خود تک کا ہوش نہ رہتا۔ اس کی آواز پہاڑوں اور گاؤں کی پُرسکون فضا میں یوں گونجتی کہ سارا ماحول مست ہو کر جھومنے لگتا۔ اور پھر جب یہ آواز

پہاڑوں سے ٹکرا کر پلٹتی تو اس میں کہیں زیادہ حسن پیدا ہو جاتا۔ اس وقت جو کوئی بھی اس کا گیت سنتا۔ دم بخود سا ہو کر رہ جاتا تھا۔ حقیقت یہ بھی کہ اس کی آواز اور گیت گانے کا انداز بڑا ہی دل کش تھا۔ یہی سبب تھا کہ جب بھی چاندنی راتیں آتیں تو لوگ اس کی آواز سننے کے منتظر ہوتے تھے۔

آج کی رات جب دریا کے پار سوگا نومورا کی جانب سے جن ساکو کے گانے کی آواز آئی اور تسو کامورا گاؤں کے لوگوں نے سنی تو ان میں سے کسی نے کہا۔

"یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ جن ساکو بہت اچھا گاتا ہے۔ اس کی آواز بڑی سُریلی اور اس کے گیت دل میں اتر جانے والے ہوتے ہیں مگر ـــــ!"

"مگر کیا ـــــ؟"

دوسرے لوگوں میں سے کسی نے اسے ٹوک دیا۔ اس پر اس آدمی نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کیا ہی اچھا ہو جو ہمارے گاؤں کا کوئی آدمی اس کے گیت کا جواب دے۔"

"وہ کیسے ـــ؟"

کسی اور نے سوال کر دیا جس پر وہی آدمی بولا۔

"وہ اس کے جواب میں ادھر سے گیت گائے اور اس طرح اس کا مقابلہ کرے ـــ یہ مقابلہ بہت دلچسپ ہوگا اور دونوں طرف کے گاؤں والے تمام لوگ لطف اٹھائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے!"

"یہ تجویز بہت اچھی ہے!"

"اس کا مقابلہ ہونا چاہیئے!"

مختلف لوگ بول پڑے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان میں سے ایک نے کہا۔

"لیکن ہمارے گاؤں کا کون آدمی اس کا مقابلہ کرے گا۔ جن ساکو بہت اچھا گانے والا ہے۔!"

سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ جن ساکو کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے گاؤں میں کون

آدمی ہو سکتا ہے۔؟"

تسوکاداموراگاؤں کے لوگ مل کر اس بات پر غور کرنے لگے۔ اگرچہ اس وقت ان کی سمجھ میں کسی ایسے آدمی کا نام نہ آسکا جو گانے میں جن ساکو کا مقابلہ کر سکتا، تاہم سب لوگ اس بات پر ضرور متفق تھے کہ جن ساکو کو نیچا ضرور دکھانا چاہیئے۔ گانے میں اس کا مقابلہ ضرور ہونا چاہیئے تاکہ تسوکاداموراکا نام بھی ہو۔

یہ بھی ایک رات کی بات ہے — ہر طرف چاندنی چھٹکی ہوئی تھی اور چاروں طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ اچانک فضا میں ایک نہایت سُریلی اور پُر سوز آواز اُبھری۔ یہ آواز کافی دُور سے آرہی تھی اور بالکل جن ساکو ہی کی طرح درد بھری تھی مگر گانے والا جن ساکو نہیں تھا۔

"یہ گانے والا کون ہے —؟"

"یہ پُرسوز آواز کس کی ہے —؟"

لوگ ایک دوسرے سے تعجب کے لہجے میں دریافت کرنے لگے۔ دراصل یہ آواز تسوکاداموراسے قریب ایک پہاڑی پر سے آرہی تھی اور گانے والا تسوکادامورا ہی کا ایک نوجوان ہیکورد کو تھا۔

دوسری طرف جب ہیکورد کو کے گانے کی آواز جن ساکو کے کانوں میں پڑی تو وہ بھی چونک پڑا — اس نے اندازہ کیا کہ آج اس کا مقابلہ کسی ایسے ویسے گانے والے سے نہیں ہے۔

ہیکورد کو پہاڑی کی چوٹی پر مسلسل گا رہا تھا اور اس کی آواز چاروں طرف ہوا کی لہروں کی طرح پھیل رہی تھی۔ دریا کے دوسری طرف جن ساکو نے کچھ دیر تک گانے کی آواز سُنی اور پھر اس نے بھی اپنی سُریلی مگر بلند آواز میں گیت گانا شروع کر دیا۔ یوں اب وہ دونوں گا رہے تھے اور موسودا دریا کے دونوں جانب کے لوگ ان کے گیت سُن رہے تھے۔

گیتوں کا یہ مقابلہ صرف اسی رات تک محدود نہ تھا بلکہ یہ اس کے بعد بھی کئی راتوں تک جاری رہا دریا کے دونوں جانب آباد گاؤں کے لوگ دونوں کے گانے کی آواز سُنتے رہے اور لطف اندوز ہوتے رہے

اس واقعہ کو ایک سال بیت گیا۔ یہاں تک کہ ایک بار پھر پہاڑوں اور وادیوں میں بہار کا موسم آگیا۔ تسوکادامورا اور تسوگانومورا دیہات کے لوگوں کو جن ساکو اور ہیکورد کو کے وہ گیت اب تک یاد تھے جو انہوں نے گزشتہ برس دھان کی بوائی کے زمانے میں گائے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔

"گذشتہ سال کتنا اچھا مقابلہ ہوا تھا وہ اب تک یاد ہے۔!"

"جن ساکو اور ہیکو رد کو کہاں ہیں۔ ان کے گانے کی آواز ابھی تک سنائی نہیں دی!"

"اس سال بھی دونوں کے گانے کا مقابلہ ضرور ہونا چاہیئے!"

آخر کار۔۔۔ وہ وقت بھی آگیا جس کا لوگوں کو انتظار تھا۔ جب دریا کے دونوں طرف کے لوگ اپنے اپنے کھیتوں میں دھان کی پنیری لگا رہے تھے تو اچانک ایک جانب سے جن ساکو کے گانے کی آواز بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی دوسرے کنارے سے ہیکو رد کو نے گانا شروع کر دیا۔ اس طرح اب وہ دونوں اپنی اپنی پُرسوز آواز میں گیت گا رہے تھے۔ اس وقت وہ دونوں اپنے اردگرد سے بے خبر ہو کر بلند آواز میں گا رہے تھے۔۔۔ پورا دن گذر گیا مگر وہ اسی طرح گاتے رہے۔ ادھر لوگ ان کے گیتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ دھان کی پنیری بھی لگاتے جا رہے تھے۔

جن ساکو اور ہیکو رد کو کا مقابلہ جاری تھا۔ ان میں سے کوئی بھی ہار ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ دونوں مسلسل گائے چلے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے گیتوں کی مدھ بھری آوازوں کی گونج میں لوگوں نے دھان کی بوائی ختم کر لی تھی۔ وہ سب خوش تھے مگر دوسری جانب ہوا یہ کہ جیسے ہی لوگوں نے دھان کی بوائی ختم کی اس کے ساتھ ہی جن ساکو شدید بیمار پڑ گیا۔ نہ صرف جن ساکو بلکہ اسی روز ہیکو رد کو کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ وہ بھی شدید بیمار پڑ گیا۔۔۔ وہ دونوں اسقدر بیمار ہوئے کہ چارپائی پر پڑ گئے۔ اور پھر۔۔۔ وہ وقت بھی آگیا جب دونوں مر گئے۔۔۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ دونوں ایک ہی وقت میں بیمار پڑے، ایک ہی وقت میں صاحبِ فراموش ہوئے اور پھر دونوں کی موت بھی ایک ہی ساتھ واقع ہوئی۔

جب مسودا دریا کے دونوں کناروں کے لوگوں کو ان کی موت کی خبر ملی تو وہ سب افسردہ ہو گئے۔ سب افسوس کرتے ہوئے ایک دُوسرے سے کہنے لگے۔

"یقیناً وہ گیت گاتے گاتے نڈھال ہو گئے تھے۔"

"اگر وہ اتنا سخت مقابلہ نہ کرتے تو آج ان کی موت واقع نہ ہوتی۔"

"افسوس! یہ سب کچھ ہماری وجہ سے ہوا۔!"

مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔۔۔؟ وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ لوگ افسردہ تھے لیکن اب افسوس

کے سوا کر بھی کیا سکتے تھے۔ آخر انہوں نے دریا کے دونوں جانب مشرقی اور مغربی کنارے پر ایک ایک ٹیلہ بنایا اور قبر کھود کر انہیں دفن کر دیا۔ مسودا دریا کے ساتھ آج بھی یہ دو ٹیلے موجود ہیں اور انہیں یوتاتو سو گے زد کا کے نام سے پکارا جاتا ہے جس کے معنی ہیں بہترین گانے والوں کے ٹیلے۔

صدیوں سے مسودا دریا اسی طرح بہہ رہا ہے اور اس کے دونوں کناروں پر یہ ٹیلے اسی طرح نظر آتے ہیں۔ دریا کے کناروں کے ساتھ ساتھ بسنے والے دیہات کے لوگوں کا کہنا ہے کہ جب بھی چاندنی راتیں آتی ہیں، ان ٹیلوں میں سے دھان کی بوائی کے موقع پر گائے جانے والے گیتوں کی آوازیں بڑی صاف سنائی دیتی ہیں۔



بندر اور باز



آج سے صدیوں پہلے کی بات ہے، کیوشو کے علاقہ میں ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ اس گاؤں میں مچھیروں کی آبادی تھی جو مچھلیاں پکڑ کر بیچتے تھے اور ان سے جو چار پیسے حاصل ہوتے تھے ان سے اپنی گذر بسر کرتے تھے۔ اسی گاؤں میں ایک مچھیرا رہتا تھا جو انتہائی نیک دل اور ایماندار تھا۔ اس کی ایک بیوی تھی اور ایک بچہ۔ اس طرح یہ تینوں جی ایک چھوٹے سے جھونپڑی جیسے مکان میں زندگی گذار رہے تھے۔

ایک دن کا ذکر ہے۔ سمندر کا پانی اترا ہوا تھا اس لئے گاؤں کی اکثر عورتیں اور بچے سمندر کے کنارے گھونگے چننے جانے لگے تو اس مچھیرے کی بیوی بھی ان کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئی۔ اس نے اپنے چھوٹے سے بچے کو کپڑے کی جھولی بنا کر کمر سے لٹکا لیا اور گھونگے جمع کرنے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ چل دی۔ اس وقت اتفاق سے موسم بھی اچھا اور صاف تھا۔ جب وہ سمندر کے کنارے پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا وہاں پہلے ہی سے بہت سے لوگ گھونگے جمع کرنے میں مصروف تھے۔ یہ دیکھ کر مچھیرے کی بیوی نے اپنے بچے کو ایک چٹان پر لٹا دیا۔ قریب ہی بیٹھے ایک لڑکے سے کہا۔

"بیٹا! ذرا میرے بچے کا خیال رکھنا!"

اور وہ خود سمندر کے کنارے پر جا کر گھونگے چننے میں لگ گئی۔ جب وہ گھونگے چن رہی تھی تو اس نے دیکھا کہ وہاں ایک بندر بیٹھا تھا جو یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے کھیل رہا ہو۔ یہ بات ظاہر تھی کہ وہ بندر قریب کے پہاڑوں سے وہاں آیا تھا۔ جیسے ہی اس کی نگاہ بندر پر پڑی وہ دوسرے لوگوں سے کہنے لگی۔

"دیکھو۔۔۔! وہاں ایک بندر بیٹھا ہوا ہے۔؟"

اس کے ساتھ دوسرے مردوں، عورتوں اور بچوں نے بھی سر اٹھا کر ادھر دیکھا۔ واقعی ایک بندر بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ اکیلا وہاں کیا کر رہا ہے ــــ ؟"

ان میں سے ایک بولا ــــ

"تعجب ہے ۔ یہ وہاں اکیلا کھیل رہا ہے ــــ ؟"

دوسرا بول پڑا ۔ اس پر مچھیرے کی بیوی کہنے لگی ۔

"چلو، چل کے دیکھتے ہیں ۔"

اس کے ساتھ ہی وہ سب بندر کی طرف چل دیئے ۔ وہ اس کے قریب پہنچ گئے مگر حیرت کی بات یہ تھی بندر انہیں دیکھنے کے باوجود وہاں سے بھاگا نہیں تھا ۔ ان کے قریب پہنچنے سے وہ پریشان ضرور دکھائی دیتا تھا ۔ تاہم اپنی جگہ پر ہی موجود رہا ۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے ۔

"اسے کیا ہوا ہے ــــ ؟ تعجب ہے ــــ حالانکہ ہمیں دیکھ کر اسے بھاگ جانا چاہیئے تھا لیکن یہ تو وہیں پر بیٹھا ہوا ہے ۔ ؟"

مچھیرے کی بیوی نے کہا اور سب اس کے بالکل قریب چلے گئے ۔ وہاں جا کر دیکھا تو ایک بہت بڑے گھونگے میں بندر کا ہاتھ پھنسا ہوا تھا اور وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا ۔

"اچھا تو یہ بات ہے ــــ اس بڑے گھونگے میں اس کا ہاتھ پھنسا ہوا ہے ۔ اسی لئے یہ بھاگ نہیں سکتا !"

مچھیرے کی بیوی اس پر ترس کھاتے ہوئے بولی ۔ مگر ایک دوسری عورت خوش ہو کر کہنے لگی ۔

"اچھا ہے ۔ اس کو شیطانی کی سزا مل رہی ہے ۔"

اس وقت ہو یہ رہا تھا کہ بندر بڑی پریشانی کے عالم میں گھونگے سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا ۔ مصیبت یہ تھی کہ گھونگا بہت بڑا تھا، دوسرا جوں جوں وہ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتا توں توں گھونگا اور بھی ریت میں دھنستا چلا جا رہا تھا ۔ بعض لوگوں کے لئے یہ منظر بڑا دلچسپ تھا اور وہ بندر کو اس طرح مصیبت میں گرفتار دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے ۔

"دیکھو ــ کیسا پھنسا ہے ــــ لطف آ رہا ہے ــــ !"

اتنے میں ایک عورت نے قریب پڑا ہوا پتھر اُٹھایا تاکہ بندر کو ہلاک کر دے ۔ یہ عورت بندروں

سے بڑی نفرت کرتی تھی کیونکہ وہ کھیتوں کو نقصان پہنچاتے تھے۔ وہ مصیبت میں گرفتار بندر کے سر پر پتھر مارنے ہی لگی تھی کہ مچھیرے کی بیوی نے اسے ایسا کرنے سے روکا۔

"اس بیچارے کو مت مارو۔ اسے چھوڑ دو ـــ اس پر رحم کرو ـــ!"

"نہیں ـــ اسے نہیں چھوڑنا چاہئیے ـــ یہ ہمارے کھیتوں کو اجاڑ دیتے ہیں۔"

وہ عورت غصّے میں بولی۔

"یہ غریب جانور ہے ـــ مصیبت میں ہے ـــ اسے مارنے کی بجائے اس کی مدد کرنی چاہئیے۔"

مچھیرے کی نیک دل بیوی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہی تھیں کہ یکایک سمندر کے پانی میں جوار بھاٹا آگیا اور تیز لہریں کناروں کی طرف بڑھنے لگیں۔ سمندر کی طوفانی لہریں اچھل اچھل کر کنارے پر آ رہی تھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تیزی و تندی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر تمام لوگوں نے گھونگے چننا بند کر دیئے اور جو چنے تھے وہ جلدی جلدی سمیٹ کر چلنے لگے۔

ادھر بندر اور بھی خوفزدہ ہو گیا تھا کیونکہ طوفانی لہریں اس سے بُری طرح ٹکرا رہی تھیں اور وہ بیچارہ لوٹنیاں کھا رہا تھا۔ اب وہ خود کو چھڑانے کی اور بھی زیادہ کوشش کر رہا تھا مگر گھونگا تھا کہ ریت میں دھنستا ہی چلا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر مچھیرے کی بیوی کو اس پر بڑا رحم آیا۔ وہ تیز لہروں کی پروا نہ کرتے ہوئے آگے بڑھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پوری قوت کے ساتھ گھونگے کو کھولا اور بندر کا ہاتھ چھڑا دیا۔ اس کے بعد اس نے گھونگے کو ریت میں دبا دیا اور بندر کو تھپکتے ہوئے بولی۔

"میں نے تمہیں مصیبت سے نجات دلا دی ہے۔ اب یہاں سے بھاگ جاؤ ـــ!"

بندر نے اسے ممنون نظروں سے دیکھا اور جب وہاں سے بھاگنے لگا تو اس نے اسے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا۔

"مگر دیکھنا ـــ آئندہ کسی کی فصل برباد نہ کرنا۔"

جیسے ہی اس نے یہ کہا بندر چھلانگیں لگاتا ہوا وہاں سے بھاگ نکلا۔ مگر یہ کیا ـــ؟ مچھیرے کی بیوی نے دیکھا کہ بندر وہاں سے بھاگتا ہوا سیدھا اس چٹان پر گیا جہاں اس نے اپنا بچہ لٹا رکھا

تھا۔ اس نے جلدی سے بچے کو اُٹھایا اور پہاڑوں کی جانب بھاگنا شروع کر دیا۔

"پکڑو پکڑو ـــــ بندر میرا بچہ لے جا رہا ہے ـ اسے پکڑو ـ !"

وہ شور مچاتی اور دوسرے لوگوں کو مدد کے لئے پکارتی ہوئی بندر کے پیچھے بھاگنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے لوگ بھی بھاگنے لگے تاکہ بندر سے بچہ چھین سکیں۔

"ہم تو اسے ہلاک کرنے لگے تھے تم ہی نے اس کی جان بچائی تھی ـــ !"

"اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہیئے تھا ـ !"

"اس کی زندگی بچا کر تم نے غلطی کی ہے ـ !"

سارے لوگ بھاگ بھی رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ مچھیرے کی بیوی کو الزام بھی دیتے جا رہے تھے۔ خود وہ بھی اس وقت اپنے دل ہی دل میں سوچتی ہوئی بھاگ رہی تھی کہ ـ

"میں نے بندر کی جان بچائی اور اس نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ میرے بچے کو اُٹھا کر لے گیا ہے۔"

وہ بار بار پکار کر بندر سے کہہ رہی تھی ـــــ

"خدا کے لیے میرا بچہ دے جاؤ ـ مجھ پر رحم کرو ـ میرا بچہ واپس دیدو ـــ !"

مگر بندر تھا کہ گولی کی سی تیزی سے بھاگا چلا جا رہا تھا۔ وہ اسقدر تیز دوڑ رہا تھا کہ کوئی بھی اسے نہ پکڑ سکا اور نہ ہی اس کے قریب پہنچ سکا ـ یہاں تک کہ بندر ایک بہت بڑے درخت کے پاس جا کر رکا اور پھر پلک جھپکتے میں اس درخت پر چڑھ گیا۔ اس نے بچے کو اس طرح اپنے سے لپٹا رکھا تھا کہ درخت پر چڑھنے کے دوران اسے خراش تک نہ آنے دی ـ

چند ہی لمحوں بعد مچھیرے کی بیوی اور گاؤں کے دوسرے لوگ بھی ہانپتے ہوئے درخت کے پاس پہنچ گئے۔ اور وہ سب درخت کے نیچے کھڑے شور کر رہے تھے۔

"اے بندر ـــ ! مجھ پر رحم کر اور میرا بچہ مجھے دیدے ـ !"

[illegible] مچھیرے کی بیوی بار بار بندر سے التجائیں کر رہی تھی لیکن [illegible] ہوا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں بچہ تھا اور بائیں ہاتھ سے شاخ پکڑے ہوئے تھا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ بندر نے بائیں ہاتھ سے ایک مضبوط شاخ کو پکڑا اور لٹک کر زور زور سے جھولنے لگا۔ بچہ تو پہلے ہی بیچارہ رو رہا تھا، اب جو بندر نے اس طرح جھولنا شروع کیا تو وہ اور زیادہ چیخنے چلانے

لگا۔ اس کی چیخیں سُن سُن کر اس کی ماں بھی چیخ رہی تھی اور اپنا سر پیٹ رہی تھی۔ وہ بیچاری رو رو کر ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔

اتنے میں ایک بہت بڑا باز پچھلی طرف کے پہاڑوں کی جانب سے آیا۔ اس نے پہلے درخت کی طرف ایک لمبی جھونک ماری اور پھر بندر کی جانب جھپٹا۔ یہ دیکھ کر لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ باز جھپٹا مار کے بندر سے بچّہ لے جائے گا اور اسے چیر پھاڑ کے کھا جائے گا۔ یہ دلخراش منظر دیکھ کر مچھیرے کی بیوی غم سے نڈھال ہو گئی اور اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے مہاتما بودھ سے دُعا کی۔

"اے عظیم بودھ۔ میرے بچّے کو بچا۔ مجھ غریب پر رحم کر۔ !"

عین اس موقع پر بندر نے جھولنا بند کر دیا اور درخت کے ایک تنے پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد اس نے بائیں ہاتھ سے ایک شاخ پکڑ کر اپنی طرف کھینچی۔ اور پھر جونہی باز اس پر جھپٹا اس کھینچی ہوئی شاخ کو چھوڑ دیا۔ شاخ ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ آگے آئی اور باز کے سر پر لگی۔ شاخ کا لگنا تھا کہ باز لوٹنیاں کھاتا تڑپتا ہوا سر کے بل زمین پر گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ بندر نے دوبارہ اسی شاخ کو پکڑ کے اپنی طرف کھینچا۔ اسی وقت ایک اور باز آیا اور بندر پر جھپٹا۔ بندر نے پہلے کی طرح پھر شاخ کو چھوڑا جو پورے زور سے باز کے سر پر لگی اور یہ باز بھی چکریاں کھاتا ہوا سر کے بل زمین پر جا گرا۔ تمام لوگ درخت کے نیچے کھڑے یہ حیرتناک منظر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ چند ہی منٹوں میں بندر نے پانچ باز ہلاک کر دیئے تھے۔ جو اس وقت زمین پر پڑے تھے۔

تھوڑی دیر بعد جب خطرہ ٹل گیا تو بندر آہستگی کے ساتھ درخت سے نیچے آیا۔ اس نے آہستہ سے بچّے کو زمین پر رکھا اور خود لپک کر دوبارہ درخت پر چڑھ گیا۔

اب لوگوں کو سمجھ میں آیا کہ بندر بچّے کو کیوں اُٹھا کر لایا تھا۔ دراصل اس نے بازوں کو دیکھ لیا تھا جو چٹان سے بچّے کو اُٹھا لے جانا چاہتے تھے۔ اسی لئے وہ اسے اُٹھا کر لایا اور درخت پر چڑھ گیا تاکہ بچّے کی جان بچا سکے۔ اور اس طرح مچھیرے کی بیوی کے احسان کا بدلہ چکا سکے جس نے گھونگے میں سے اس کا ہاتھ نکالنے میں مدد کی تھی اور لوگوں سے اس کی جان بچائی تھی۔

جیسے ہی بندر بچّے کو زمین پر رکھ کر درخت پر چڑھا اس کی ماں بھاگ کر گئی اور بچّے کو اپنے

سینے سے لگالیا۔ اس موقع پر بچے کا باپ بھی آچکا تھا، اسے پوری بات بتائی گئی اور اس نے بھی شکھ کا سانس لیا۔ اس طرح اب تمام لوگ ہنسی خوشی اپنے گاؤں کی جانب چل دیئے۔

کہا جاتا ہے کہ بعد میں بچے کے باپ بچھیرے کو ان بازوں سے خاصی دولت حاصل ہوئی۔ اس نے ان کے خوبصورت پر اور بازو بیچ کر بہت سے پیسے کمائے اور وہ گاؤں کا سب سے امیر آدمی بن گیا۔



تربوزوں کے بیوپاری



پرانے وقتوں کی بات ہے۔ ایک بار جاپان کے صوبہ یماتو اور دارالحکومت کیوٹو کے درمیان ایک کاروان سفر کر رہا تھا۔ کاروان کے لوگوں نے اپنے گھوڑوں پر تربوز لاد رکھے تھے اور وہ کیوٹو جا رہے تھے تاکہ انہیں فروخت کر سکیں۔ اس زمانے میں یماتو کا صوبہ اپنے میٹھے اور شیریں تربوزوں کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ لوگ یہاں کے تربوز بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کسان اپنے تربوز دُور دراز کے علاقوں میں جاکر فروخت کرتے تھے تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ قیمت حاصل ہو سکے۔ یہ کاروان بھی اسی غرض سے کیوٹو کا سفر کر رہا تھا۔ ہر آدمی نے اپنے گھوڑوں پر بہت سے تربوز لاد رکھے تھے اور ان کی قیمت وصول ہونے کی خوشی میں سب چلے جا رہے تھے۔

یہ گرمیوں کا زمانہ تھا اور موسم اسقدر گرم تھا کہ ہر شخص پسینے میں نہا رہا تھا۔ گھوڑے بھی سفر کرتے کرتے تھک چکے تھے۔ ابھی وہ کیوٹو سے کچھ فاصلے پر تھے کہ ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا۔

"یارو! گرمی بہت ہے۔ ہم نے بہت سفر کر لیا ہے، گھوڑے بھی تھک گئے ہیں۔ پھر کیوں نہ یہاں کچھ دیر آرام کر لیا جائے ___؟"

"ٹھیک ہے ___ اب کیوٹو تو ہم پہنچنے ہی والے ہیں ___ ذرا سستا لیں تو پھر چلتے ہیں۔" ایک اور شخص نے اس کی حمایت کی۔

"یہاں درختوں کی چھاؤں بھی ہے ___ کچھ دیر آرام ضرور کر لینا چاہیئے۔!"

ان میں سے ایک اور بول پڑا ___ اور اس طرح سب نے اپنے اپنے گھوڑے روک لئے ___ انہوں نے گھوڑوں پر سے تربوزوں کا بوجھ اتار کر انہیں درختوں کے ساتھ باندھا اور خود چھاؤں میں بیٹھ کر سستانے لگے۔ ابھی وہ بیٹھے ہی تھے کہ ان میں سے ایک آدمی نے کہا۔

"پیاس بہت لگی ہے کیوں نہ تربوز کھالیا جائے ۔ ؟"

"میری بھی یہی رائے ہے ۔ مجھے بھی بہت پیاس لگ رہی ہے"

اس کا ایک اور ساتھی بول پڑا۔

"تم دونوں ہی پیاسے نہیں ہو، سبھی کو پیاس لگی ہوئی ہے"۔

تیسرے نے بھی ان کی رائے سے اتفاق کیا اور اس طرح اب وہ سب وہاں بیٹھ کر تربوز کھانے لگے۔

وہ تربوز کھا ہی رہے تھے کہ اتنے میں ایک بوڑھا شخص وہاں آیا۔ اس نے گرمیوں میں پہننے والا کیمونو پہن رکھا تھا، سر پہ ناڑ کا ہیٹ تھا، پاؤں میں بھی ناڑ کی بنی ہوئی چپلیں تھیں اور ہاتھ میں ایک ڈبا پکڑے ہوئے تھا۔ وہ آیا اور خاموشی سے ان کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بہت تھکا ہوا ہے اور اسے بھی پیاس لگ رہی ہے۔ بوڑھا ان سب کو تربوز کھاتے ہوئے بڑی حسرت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک اسی طرح خاموش کھڑا انہیں دیکھتا رہا اور پھر التجا کرتے ہوئے بولا۔

"میں بھی بہت تھکا ہوا ہوں اور مجھے پیاس بھی لگ رہی ہے۔ مہربانی کر کے تھوڑا تربوز مجھے بھی دے دو تاکہ میں بھی اپنی پیاس بجھا سکوں ۔ ؟"

بجائے اس کے کہ وہ لوگ بوڑھے کو تربوز کی کوئی قاش دیتے، انہوں نے کہا۔

"اے بوڑھے شخص۔ ہمیں افسوس ہے ہم تمہیں تربوز نہیں دے سکتے۔ اگرچہ ہمارے پاس بہت سے تربوز ہیں لیکن ہم تمہیں نہیں دے سکتے ۔ !"

بوڑھا یہ جواب سُن کر حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگا اور پھر بولا۔

"بڑی شرم کی بات ہے کہ ایک بوڑھا شخص جو تھکا ہوا ہے اور جلتے سورج تلے سفر کرتا آیا ہے، آپ لوگ اسے تربوز کی ایک قاش بھی نہیں دے سکتے۔ ؟"

"ہم نے کہہ جو دیا کہ ہم تمہیں تربوز نہیں دے سکتے ۔ !"

انہوں نے بڑے رُوکھے پن سے کہا ۔ اس پر بوڑھا ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اگر تمہارے پاس میرے لئے تربوز کی ایک قاش بھی نہیں ہے تو میں ابھی یہاں بہت سے تربوز اگاؤں گا اور تمہارے سامنے بیٹھ کر کھاؤں گا"۔

"ابھی بہت سے تربوز اُگا لو گے ۔ ؟"

سب نے مذاق کرتے ہوئے بوڑھے کی جانب دیکھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے تمہارا دماغ چل گیا ہے ــ کیا تربوز منٹوں میں اُگ آتے ہیں ۔ ؟"

ان میں سے کچھ لوگ بوڑھے سے مذاق کرنے لگے ۔ واقعی انہیں یقین ہوگیا تھا کہ بوڑھا پاگل ہے۔ بھلا تربوز بھی کوئی ایسی چیز ہے جو ایک دم سے اُگ آئے گی ۔ ؟ اور پھر کون سا پھل ہے جو پل بھر میں اُگ سکتا ہے۔ ؟ وہ سب کے سب اسی طرح بوڑھے سے مذاق کر رہے تھے مگر بوڑھا اپنی جگہ نہایت سنجیدہ تھا۔ اس نے ان کے ہنسی مذاق کی طرف کوئی توجہ نہ دی ۔ اس نے اسی وقت قریب پڑی ہوئی ایک لکڑی اُٹھائی اور اس سے زمین کو اس طرح کھودنے لگا جیسے ہل چلا رہا ہو۔

"دیکھو دیکھو ــ بوڑھا کیا کر رہا ہے ۔ !"

"شاید یہ زمین میں ہل چلا رہا ہے ۔ !"

"یقیناً یہ پاگل ہوگیا ہے ــ !"

وہ اسی طرح اس پہ جملے کس رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے ۔ لیکن دوسری طرف بوڑھے نے بڑی سنجیدگی سے زمین میں لکڑی سے ہل چلایا۔ اس کے بعد اس نے تربوزوں کے وہ بیج اُٹھائے جو انہوں نے تربوز کھا کر چاروں طرف پھینک رکھے تھے اور پھر کھُدی ہوئی زمین میں ان بیجوں کو بونے لگا ۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بیج بو دیئے ــ اور جب وہ اس کام سے فارغ ہوا تو ابھی دو تین لمحے بھی نہ گذرے تھے کہ سب لوگ حیرت سے بُت بن گئے۔ انہوں نے دیکھا زمین میں سے تربوز کی بیلوں کے پتّے پھوٹ رہے تھے۔

"یہ کیا ــ ؟ حیرت کی بات ہے ــ ؟ ایسے کیونکر ہو سکتا ہے ــ ؟"

وہ سب کے سب پھٹی پھٹی نظروں سے کبھی ایک دوسرے کی طرف اور کبھی بوڑھے کو دیکھ رہے تھے۔ اس کے برعکس بوڑھا بڑے اطمینان سے کھڑا تھا اور اس کے چہرے پر تعجب کی بجائے خوشی جھلک رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر پہلے جو بیلیں زمین سے پھوٹی تھیں، اب ان کے پتّے نکل آئے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے بڑے ہوگئے تھے ۔ اب وہاں ہری بھری بیلیں نظر آرہی تھیں ۔

"مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا ــ !"

ایک آدمی اپنے ساتھی سے کہنے لگا۔

"یہ تو کوئی خواب معلوم ہوتا ہے ــ !"

دوسرا حیرت کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔ ایک وہی کیا بلکہ وہ سارے کے سارے حیرت کی تصویریں بنے ہوئے تھے۔
ان کی یہ حیرت اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب پلک جھپکتے میں ان بیلوں کو پیلے پھول لگے، پھر ان کی ڈوڈیاں بن گئیں، اور اس کے بعد یہ تربوزوں کی شکل اختیار کر کے بڑی تیزی سے بڑھنے لگے۔ تربوز اس تیزی سے بڑھے ہوئے کہ چند ہی لمحوں میں وہ بڑے ہو کر پک گئے۔ یہ عجیب و غریب منظر دیکھنے والوں میں سے ایک بے اختیار ہو کر بول پڑا۔

"یقیناً یہ کوئی جادوگر ہے۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔ مجھے تو یہ بوڑھا کوئی دیوتا معلوم ہوتا ہے!"

دوسرے نے رائے دی۔

"ایسا تو زندگی میں نہ کبھی سُنا نہ دیکھا۔!"

"مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آرہا۔۔۔ سب کچھ دیکھنے کے باوجود کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔!"

اس طرح ہر شخص اپنی حیرت کا اظہار کر رہا تھا۔ اتنے میں بوڑھا آگے بڑھا اور اس نے ایک تربوز توڑا۔ جب اسے کاٹا تو وہ اندر سے سُرخ ہو رہا تھا۔ اس نے تھوڑا سا کھایا اور سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ پک گئے ہیں۔۔۔ اور میٹھے بھی بہت ہیں!"

پھر وہ ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم لوگوں نے مجھے ایک قاش تک کھانے کو نہیں دی تھی اس لئے میں نے نئے تربوز اُگا لئے ہیں۔ ظاہر ہے میں اتنے سارے تربوز اکیلا نہیں کھا سکتا اس لئے تم لوگ اگر کھانا چاہو تو کھا سکتے ہو۔"

اتنا کہتے کے ساتھ ہی بوڑھے نے چند تربوز توڑے اور ان کے آگے رکھ دیئے۔

"لو، جی بھر کے کھاؤ۔!"

کاروان کے لوگوں نے جب دیکھا کہ بوڑھا انہیں تربوز کھانے کی دعوت دے رہا ہے تو وہ سب ٹوٹ پڑے اور مفت کے تربوز کھانا شروع کر دیئے۔

"یہ تو ہمارے تربوزوں سے بھی زیادہ میٹھے ہیں۔۔۔!"

"یہ تو بہت ہی لذیذ ہیں۔۔۔!"

وہ تربوز کھا بھی رہے تھے اور ساتھ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔۔۔ ادھر بوڑھا بھی تربوز کھانے میں

مصروف تھا مگر تربوز اتنے زیادہ تھے کہ ان سے ختم نہ ہو سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بوڑھے نے وہاں سے گذرنے والے دوسرے مسافروں کو پکار کر کہا۔

"آؤ تم لوگ بھی تربوز کھا لو۔۔۔!"

شدید گرمی میں یہ پیش کش کون ٹھکرا سکتا تھا۔۔۔؟ چنانچہ جو چند آدمی وہاں سے گذر رہے تھے وہ بھی ٹھہر گئے اور انہوں نے بھی تربوز کھانے میں ان کا ساتھ دیا۔۔۔ اس طرح تھوڑی ہی دیر میں تربوز ختم ہو گئے اور اب وہاں اِدھر اُدھر پڑے ہوئے چھلکوں اور بیجوں کے سوا کچھ نہ بچا تھا۔ بوڑھے نے جب دیکھا کہ تمام تربوز ختم ہو گئے ہیں تو وہ آہستہ سے اُٹھا اور بولا۔

"اچھا۔۔۔ اب چلنا چاہیئے!"

اس نے ایک نظر سب لوگوں کی جانب دیکھا اور کہا۔

"خدا حافظ۔۔۔ پھر ملیں گے۔۔!"

وہ اپنے راستے پر چل دیا۔۔۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

ادھر کاروان والوں نے جب دیکھا کہ بوڑھا جا چکا ہے تو وہ بھی ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"ہمیں بھی چلنا چاہیئے۔۔۔ ابھی ہمیں کیوٹو پہنچنا ہے۔"

وہ سب اٹھے اور اپنے اپنے گھوڑوں کی جانب جانے لگے کہ اتنے میں ایک شخص چیخ پڑا۔

"ارے ہمارے تربوز کہاں گئے۔۔۔؟"

جیسے ہی اس نے یہ کہا سب لوگوں نے پلٹ کر گھوڑوں کی طرف دیکھا تو وہ بالکل خالی کھڑے تھے۔ وہاں تو ایک تربوز بھی نہیں تھا۔

"سب کے سب غائب ہو گئے۔۔۔!"

"بڑی عجیب و غریب بات ہے۔۔۔!"

"کیا اس قسم کا واقعہ ممکن ہو سکتا ہے۔۔؟"

ان کے لئے تربوز غائب ہونے کا واقعہ تو تربوز اُگلنے سے بھی زیادہ حیرت کا باعث ہو رہا تھا۔۔۔ وہ حیرت زدہ بوکھلائے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے بعض نے قرب و جوار میں بھاگ دوڑ کے تربوز تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن تربوز وہاں ہوتے تو انہیں ملتے۔۔۔ وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا اور

بوڑھا بھی جا چکا تھا۔

"میرا خیال ہے ہمارے تربوز وہی بوڑھا لے گیا ہے۔!"

"اس نے ہم سے چال چلی ہے۔ ہماری توجہ اپنی طرف کر کے ہمیں اپنے گھوڑوں سے بے خبر کر دیا۔!"

"میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ہم نے اپنے تربوز کھائے ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے۔!"

"یقیناً وہ بوڑھا کوئی جادوگر تھا۔!"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ وہ جادوگر بھی کوئی چھوٹا نہیں لگتا۔ ہم سب کو بیوقوف بنا کر ہمارے سارے تربوز لے گیا ہے۔!"

"تعجب تو یہ ہے کہ آخر تربوز گئے کہاں۔؟ ہم سب تو یہیں پر موجود تھے۔!"

ان میں سے ہر شخص اپنی رائے کا اظہار کر رہا تھا۔ ایک آدمی نے یہ بھی مشورہ دیا کہ بوڑھے کا پیچھا کیا جائے اور اسے تلاش کیا جائے۔ لیکن اس کا تو دُور دُور تک پتہ نہ تھا۔ جب وہ سارے مایوس ہو گئے تو ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا۔

"اب ہمارا کیوٹو جانا بیکار ہے۔ ہم وہاں جا کر کیا فروخت کریں گے۔؟ بہتر یہی ہے کہ واپس یماتو چلیں۔"

سب نے اس سے اتفاق کیا اور واپس چلنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ جب وہ مایوس و نامراد چلنے لگے تو قریب ہی کھڑے ہوئے ایک آدمی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اگر یہ لوگ بوڑھے کو تربوز کی ایک قاش دے دیتے تو اپنے سارے تربوزوں سے محروم نہ ہوتے۔؟"



دوسنترے



گئے وقتوں کی بات ہے۔ جب اُوکا کو دارالحکومت میں ایک اعلیٰ منصب ملا تو شہر کے تمام لوگ خوش ہو گئے کہ واقعی انہیں ایک ذہین اور انسان کا درد رکھنے والا حاکم ملا ہے۔ اس نے اپنا نیا منصب سنبھالتے ہی اپنے عملے میں تبدیلیاں کیں اور اپنے چاروں طرف ایسے لوگوں کو متعین کیا جو مخلص اور انسانوں سے ہمدردی رکھنے والے تھے۔ اس نے اپنی انتظامیہ کو صحیح طور پر چلانے کے لئے بہترین افراد کا انتخاب کیا۔ اس طرح اب اس کے معاونین اور منتظمین میں باصلاحیت لوگ جمع ہو گئے تھے۔

اُوکا جب اپنی انتظامی کارروائیوں سے فارغ ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ اب حکومت کا کاروبار بہتر طور پر چلے گا تو اس نے ایک بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا۔ یہ دعوت اس کی عظیم رہائش گاہ کے ایک بہت بڑے ہال میں ہو رہی تھی جس میں اس نے بڑے چھوٹے کے امتیاز کے بغیر اپنے تمام معاونین اور اہل کاروں کو مدعو کیا۔ اس شاندار دعوت میں کسی طرح بھی تین سو سے کم مہمان نہ تھے جن میں جج، قانون دان، منتظم، دانشور اور دوسرے شعبوں کے افراد شامل تھے۔ جس بڑے ہال میں دعوت کا انتظام کیا گیا تھا وہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

اُوکا نے دعوت میں ہر قسم کے کھانوں کا اہتمام کیا تھا جو مہمان بڑے ذوق و شوق سے کھا رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ تعریفیں کر رہے تھے۔ جب کھانا کھلانے والے ملازمین مہمانوں کے آگے آخری کھانا رکھ رہے تھے اس وقت دعوت میں ہر طرف چاولوں کی جاپانی شراب " سا کے " کا دور دورہ چل رہا تھا، ہر شخص پیالے پر پیالہ [illegible] عین اسی لمحے اُوکا [illegible] آدمی کی طرف چونک کر دیکھا۔ یہ شخص بھی ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ اُوکا کچھ یاد کرتے ہوئے بولا۔

" اوہ! میں ایک چیز تو بھول ہی گیا۔۔۔!"

" وہ کیا۔۔۔؟ دعوت میں تو ہر قسم کے شاندار کھانے موجود ہیں، پھر کون سی چیز رہ گئی۔۔۔؟"

اُس آدمی کے اس سوال پر اُوکا کہنے لگا۔

"آجکل تاچی بانا (ایک قسم کا سنترا) کا موسم ہے اور یہ پھل انتہائی لذیذ ہے۔ اتفاق سے میں اسے بھول گیا۔ حالانکہ دعوت میں اس کا ہونا ضروری تھا۔"

وہ لمحہ بھر کے لئے سوچتا رہا اور پھر بولا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ اس کا بھی انتظام کر لیتے ہیں۔ یقیناً تاچی بانا آس پاس کی دکانوں سے مل جائیں گے۔ ابھی کسی کو بھیج کر منگوا لیتے ہیں۔"

اس نے اسی وقت اپنے ایک ایسے ملازم کو طلب کیا جس پر اسے بہت زیادہ اعتماد تھا۔ جیسے ہی ملازم حاضر ہوا اس نے اسے سونے کا ایک سکّہ دیتے ہوئے کہا۔

"بھاگ کے جاؤ۔ اور کسی قریب ترین دکان سے دو سو تاچی بانا لیکر آؤ۔ اور وہاں انتخاب کر کے بہترین پھل لانا اور جسقدر جلدی ہو سکے لیکر آؤ۔!"

"بہتر حضور۔ میں ابھی لیکر آتا ہوں!"

اس ملازم کا نام ناؤسوکے تھا اور یہ اُوکا کے ملازمین میں سب سے زیادہ بھروسے والا تھا۔ وہ شاہ بلوط کے درخت کی طرح ایماندار تھا اور اس وقت سے اُوکا کا ملازم تھا جب وہ جوان تھا۔ اس نے جلدی سے اپنے آقا سے پیسے لئے اور بجلی کی سی تیزی سے چلا گیا۔ اور ابھی مہمان کھانے ہی میں مصروف تھے کہ واپس بھی آگیا۔ اس نے ایک بڑا سا تھیلا اُٹھا رکھا تھا جس میں تاچی بانا بھرے ہوئے تھے۔ وہ بھاگم بھاگ آیا اور آتے ہی تھیلا اپنے آقا کے آگے رکھ دیا۔ جیسے ہی اس نے تھیلا رکھا اُوکا نے اس سے کہا۔

"ان کو گنو۔!"

یہ بات سن کر ناؤسوکے بڑا حیران ہوا۔ اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ اس کا مالک اس کی ایمانداری پر اس طرح شک کرے گا۔ ایک وہی نہیں بلکہ وہاں موجود دوسرے مہمان بھی اُوکا کی اس بات سے تعجب میں تھے۔ بہرصورت ناؤسوکے نے تاچی بانا گننا شروع کئے۔ اور جب سب گنے تو وہ دو سو کی بجائے ایک سو اٹھانوے تھے۔ یہ دیکھتے ہی اُوکا نے قدرے غصہ میں ملازم سے کہا۔

"کیا میں نے تمہیں دو سو پورے لانے کے لئے نہیں کہا تھا۔؟"

اس پر ملازم نے پریشان اور خوفزدہ ہو کر جواب دیا۔

"حضور! میں دو سو پورے ہی لایا تھا۔ میں نے دکاندار سے گن کر دو سو خریدے ہیں"

اور اتنا کہہ کر وہ دوبارہ تاچی بانا گننے لگا لیکن دوسری بار گننے پر بھی وہ ایک سو اٹھانوے ہی تھے! اب تو ملازم واقعی بہت پریشان ہوا۔ وہ ڈر سے کانپنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ دو تاچی بانا کیسے کم ہو گئے؟ اسے اس طرح پریشان دیکھکر اُدکا اور بھی غصّے میں بولا۔

"تم نے مجھ سے دھوکا کیا ہے۔ حالانکہ میں نے ہمیشہ تم پر سب سے زیادہ بھروسہ کیا۔ تم نے دو تاچی بانا راستے میں کھالئے ہیں۔؟"

جواب میں ملازم منّت کے لہجے میں بولا۔

میرے آقا! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے بے ایمانی نہیں کی۔ میں بیوقوف ضرور ہو سکتا ہوں، مگر بے ایمان یا چور ہرگز نہیں ہوں۔"

اس موقع پر دعوت میں موجود تمام مہمان بھی اس طرف متوجہ ہو چکے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُدکا کو کیا ہو گیا ہے۔؟ صرف دو تاچی بانا کم ہونے پر وہ اپنے برسوں کے ملازم پر اس طرح برس رہا ہے۔ اتنی معمولی سی بھول چوک پر سب کے سامنے ملازم کو ڈانٹنے کا کیا مقصد ہے۔؟ سب لوگوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا اور حیران ہو کر اُدکا کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اُدکا نے انتہائی غصّے کے عالم میں ملازم سے کہا۔

"تم نے یقیناً دو سو تاچی بانا میں سے دو چھپا لئے ہیں۔ اگر تم نے ایسا کیا ہے تو اس کا اعتراف کرو۔ اس طرح تمہیں معاف کیا جا سکتا ہے۔؟"

جواب میں ملازم نے جو خوف سے کانپ رہا تھا، صرف اتنا کہا۔

"نہیں حضور! میں نے نہیں چرائے اور نہ ہی میں نے چھپائے ہیں۔ میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا!"

"نہیں ـــ یہ غلط ہے ـــ میں یقین نہیں کر سکتا۔"

اتنا کہہ کر اُدکا نے اپنے مہمانوں کی طرف دیکھا اور معذرت کے انداز میں کہنے لگا۔

"اس ناخوشگوار گفتگو کے لئے مجھے معاف کیا جائے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ اس بات کی باقاعدہ تحقیقات ہونی چاہیئے تاکہ سچ اور جھوٹ کا فیصلہ ہو سکے ورنہ میں اپنے معاونین اور آپ کے سامنے شرمندہ ہوں گا ـــ یہ بات جو یہاں ہوئی ہے، یہ میرے دفتر میں بھی ہو سکتی ہے اسلئے میں اس کی تحقیق

ضرور کراؤں گا۔"

اس کے بعد اس نے کانپتے ہوئے خوفزدہ اپنے ملازم سے کہا۔

"اگر تم اب بھی انکاری ہو تو پھر یہ معاملہ قانون کے ہاتھ میں دیا جائے گا اور پھر تمہیں اس کی سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔"

ملازم بیچارے کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنی بے گناہی کا ثبوت کیسے دے۔ ؟ وہ آنسو بہاتا اور گڑگڑاتا ہوا اُوکا کے قدموں پر گر گیا اور بار بار کہنے لگا۔

"میرے آقا ــــ میں نے چوری نہیں کی ــــ میں نے تاچی بانا کہیں نہیں چھپائے۔"

مگر اُوکا کا غصہ کم نہ ہوا۔ اس نے بلند آواز میں اپنے ایک افسر سے کہا۔

"اسے اسی وقت شکنجے میں جکڑ دیا جائے۔"

چنانچہ اس ملازم کو اسی وقت دو تین آدمی پکڑ کے لے گئے اور اس کے کپڑے اتار کر اسے شکنجے میں جکڑ دیا۔ اس کے بعد اسے مارنے لگے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ گرم اور تیز دھار لوہے سے اسکے جسم پر زخم لگانے لگے۔ یہاں تک کہ ملازم بیہوش ہو گیا۔ وہ جیسے ہی بیہوش ہوا انہوں نے اس پر ٹھنڈا پانی ڈالا اور جب تھوڑی دیر بعد اسے قدرے ہوش آیا تو انہوں نے پھر اسے سزا دینا شروع کر دی۔ اس سخت اور بے رحمانہ سزا کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملازم چیخ چیخ کر کہنے لگا۔

"میں اعتراف کرتا ہوں ــــ میں چوری کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں نے دو تاچی بانا چرائے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے!"

جیسے ہی اس نے یہ کہا اس کی سزا روک دی گئی اور اُوکا نے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

"اب تم سچی بات بتا دو ــــ ؟"

"میں بہت پیاسا تھا، ٹھنڈے پھلوں نے میرا دل للچا دیا ــــ میں چوری کا اعتراف کرتا ہوں۔"

جب مہمانوں نے ملازم کی بپتا سُنی تو ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"آجکل کوئی کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا ــــ دیکھو، یہ برسوں سے اُوکا کے پاس ملازم ہے اور بھروسے کا آدمی تھا اس نے بھی اپنے آقا سے غداری کی اور اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔"

کچھ لوگ کہہ رہے تھے۔

"حقیقت یہ ہے کہ جرم چھوٹا ہو یا بڑا وہ جرم ہے۔ اور پھر یہ جرم بھی اس ملازم نے اپنے آقا کی آنکھوں کے سامنے کیا ہے"۔

اس موقع پر اُدوکا نے ملازم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"اب یہ بات صاف ہوگئی ہے۔ تم نے ان تمام لوگوں کے سامنے اس بات کا اعتراف کرلیا ہے کہ تم نے دوتاچی بانا چرائے ہیں۔؟"

اس کے جواب میں ملازم سر جھکائے ہوئے بولا۔

"ہاں میں نے چوری کی ہے۔ اور اب میں اس جرم کی پاداش میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں"۔

"اُدوکا نے اسی وقت حکم دیا کہ:۔

"ناؤسو کو شکنجے سے کھول دیا جائے"۔

چنانچہ اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے گئے اور اسے کپڑے پہنا دیئے گئے۔ اب لوگ سوچ رہے تھے کہ دیکھیں جرم کے اعتراف کے بعد اُدوکا ملازم کو کیا سزا دیتا ہے لیکن اُدوکا نے سزا سنانے کی بجائے بڑی ہمدردی سے ملازم کی طرف دیکھا اور کہا۔

"یہ حقیقت ہے کہ تم انتہائی ایماندار ملازم ہو۔۔۔ مجھے معاف کردو، میں نے ناحق تمہیں سزا دی۔ دراصل میں نے یہ سب کچھ ایک خاص مقصد کے لئے کیا ہے"۔

وہ ملازم کو اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا اور اس کی مرہم پٹی کی۔ دوسری طرف مہمان بڑے حیران و پریشان تھے کہ:۔

"یہ معاملہ کیا ہے۔؟ جب تک ملازم نے اعتراف نہیں کیا تھا تو اسے سزا دی جارہی تھی اور جبکہ اس نے چوری قبول کرلی ہے تو اس کی مرہم پٹی کی جارہی ہے۔؟"

اتنے میں اُدوکا سب کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ اس نے اپنے جُبّے کی آستین سے دوتاچی بانا نکال کے مہمانوں کو دکھائے اور کہنے لگا۔

"دوستو! یہ دوتاچی بانا میں نے چھپائے تھے، میرے ملازم نے نہیں چرائے تھے جس نے چوری کا اعتراف کیا ہے"۔

تمام لوگ ہکا بکا ہو کر اُدکا کو دیکھ رہے تھے کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔؟ اتنے میں اُدکا اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"اس واقعہ سے آپ لوگ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنے بے گناہ اور معصوم افراد شدید اذیت اور بے رحمانہ سزا کی وجہ سے ناکردہ جرم کا اعتراف کر لیتے ہیں۔ چونکہ کمزور ہوتے ہیں اسلئے مجبوراً انہیں اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ میرے دوستو! یہ بات سوچنے کی ہے اور اس سے ہر شخص کو سبق لینا چاہیئے۔"

اور پھر — جب تمام مہمان جارہے تھے تو ان میں سے ہر کوئی اُدکا کی عقلمندی کی تعریف کر رہا تھا۔ اس نے عام لوگوں سے انصاف اور کمزوروں کی مدد کرنے کا نکتہ کتنے انوکھے انداز سے سمجھایا تھا۔



آدمی اور بلّی



یہ آج سے صدیوں پہلے کی بات ہے۔ جاپان کے دارالحکومت میں ایک عجیب عادت کا آدمی رہتا تھا۔ اس آدمی کا نام فوجی وارا کیوکادو تھا اور یہ سرکاری ملازم تھا۔ یہ شعبۂ خزانہ میں افسر تھا اور اسے شاہی دربار سے "گوئی" (پانچواں درجہ) حاصل تھا۔

کیوکادو یوں تو ایک سرکاری افسر تھا لیکن وہ بلّیوں سے بہت ڈرتا تھا۔ جونہی وہ کسی بلّی کو دیکھتا انتہائی خوفزدہ ہو جاتا اور اس سے چھپنے کی کوشش کرنے لگتا۔ اس کے ملنے جلنے والے بھی اس کی اس کمزوری سے واقف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس کا نام "انسانی چوہا" رکھ دیا تھا۔ بلّی سے ڈرنے کے سبب اس کا یہ نام اتنا عام ہو گیا تھا کہ ہر شخص اس کی یہ عرفیت جانتا تھا۔ اس کے بعض دوست اسے ستانے اور چھیڑنے کے لیے اکثر کہیں سے بلّی لا کر اس کے سامنے چھوڑ دیتے اور جب وہ اسے دیکھ کر اِدھر اُدھر بھاگتا تو وہ بڑا لطف لیتے ــــ یہاں تک کہ اس کے کئی قریبی دوست اس کے دفتر میں بھی بلّی لانے سے نہیں چوکتے تھے۔ کیوکادو جب کبھی دفتر میں اس طرح بلّی دیکھتا تو سارا کام چھوڑ چھاڑ کر وہاں سے بھاگ جاتا۔ چنانچہ اپنے دفتر میں بھی اس کے ساتھی اسے "بلّی سے ڈرنے والا کیوکادو" کہتے تھے۔

کیوکادو سرکاری افسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک امیر آدمی تھا۔ صوبہ یماتو، یاماشیرو اور ایگا میں اس کی بہت سی زمینیں تھیں جن سے اس کی دولت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ صوبہ یماتو کی حکومت کو ٹیکس ادا نہیں کرتا تھا۔ اس زمانے میں جاپان میں لوگ نقد ٹیکس دینے کی بجائے چاولوں کی بوریوں کی صورت میں ادا کرتے تھے مگر کیوکادو کسی صورت میں بھی ٹیکس ادا نہ کرتا تھا۔ یماتو صوبے کی حکومت کے حکام نے اسے بارہا کہا کہ وہ اپنا ٹیکس ادا کرے لیکن وہ ان کی درخواستوں پر کوئی توجہ نہ دیتا اور بدستور اپنی

روش پر قائم رہا۔

جب یانو صوبے کی حکومت ٹیکس وصول کرنے میں ناکام ہوگئی تو وہاں کے گورنر سوکے گیمی نے اپنے مشیروں کو جمع کیا اور سب لوگ مل کے کوئی ایسا راستہ سوچنے لگے جس سے کیو کا دو ٹیکس ادا کردے۔ گورنر نے اجلاس میں اپنے مشیروں سے کہا۔

" اگر ہم نے یہ معاملہ یونہی چھوڑ دیا تو یہ آدمی کبھی ٹیکس ادا نہیں کرے گا۔ اس لئے ہمیں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جس سے یہ چالاک اور مکار آدمی حکومت کا ٹیکس ادا کردے "۔

گورنر کے مشیروں میں سے ایک نے کہا۔

" مصیبت یہ ہے کہ اسے شاہی دربار میں گوئی" کا درجہ حاصل ہے اسلئے محض ٹیکس ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہم اسے کوئی سزا بھی نہیں دے سکتے۔!"

" اس پر دوسرا مشیر بولا۔

" پھر یہ بھی ہے کہ وہ انتہائی چالاک آدمی ہے۔ اگر ہم اسے ٹیکس ادا کرنے کے لئے کہیں گے تو وہ پہلے کی طرح کوئی نہ کوئی بہانہ گھڑ لے گا اور اس طرح ٹیکس ادا کرنے سے پھر بچ جائے گا۔"

اجلاس میں شریک تمام لوگ مختلف تجویزیں سوچ رہے تھے اور اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے۔ تاہم وہ سب اس ایک بات پر متفق تھے کہ کوئی ایسا طریقہ ضرور سوچنا چاہیئے جس سے کیو کا دو سے ٹیکس وصول کیا جا سکے۔ اتفاق کی بات کہ عین اس وقت کیو کا دو گورنر سے ملنے کیلئے وہاں آگیا اور اسے دیکھتے ہی گورنر کے ذہن میں ایک شاندار تجویز آگئی۔ جیسے ہی کیو کا دو آیا گورنر جلدی سے اپنی کرسی سے اٹھا اور اسے اپنے ساتھ لیکر اپنے دفتر میں آگیا۔ اپنے دفتر میں آتے ہی اس نے پہلا کام یہ کیا کہ دروازہ بند کر کے اس پر تالا لگا دیا اور پھر بڑی نرمی سے کیو کا دو سے کہا۔

" تشریف رکھیئے۔!"

جب وہ بیٹھ گیا تو گورنر نے اسی نرم لہجے میں دریافت کیا۔

" دوست کیو کا دو۔ آخر تم حکومت کا ٹیکس کیوں ادا نہیں کرتے۔؟ "

پیشتر اس کے کہ کیوکادو کوئی جواب دیتا گورنر خود ہی کہنے لگا۔

"مجھے مرکزی حکومت کی طرف سے سختی سے ہدایت کی گئی ہے کہ میں ہر صورت میں تم سے ٹیکس وصول کروں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جائداد کے مینجر سے کہو، وہ بغیر کسی تاخیر کے تمام ٹیکس ادا کر دے ــــ؟"

جواب میں کیوکادو معذرت پیش کرتے ہوئے بولا۔

"میرے دوست سوکے گیمی ــ! میں بہت شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے تمہیں مفت کی زحمت ہوئی ہے۔"

اتنا کہہ کر اس نے بڑے غور سے گورنر کی طرف دیکھا جیسے وہ اس کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ کر رہا ہو۔ پھر وہ کہنے لگا۔

"دراصل میں بہت مصروف رہا جس کی وجہ سے ٹیکس ادا نہ کر سکا حالانکہ میں جانتا ہوں، حکومت کا ٹیکس ادا کرنا میرا فرض ہے۔ بہرصورت اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ عنقریب سارا ٹیکس ادا کر دوں گا۔"

اس نے گورنر سے بہت معذرت کی لیکن گورنر بھی اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ بھی اس کا ایک بہانہ ہے۔ اسے یقین تھا کہ کیوکادو وعدہ تو کر رہا ہے لیکن وہ ٹیکس تو کیا چاول کا ایک دانہ بھی ادا نہ کرے گا۔ وہ اس کے ہتھکنڈوں سے پوری طرح واقف تھا اور اب مزید اس کے فریب میں آنے والا نہیں تھا۔ اس نے ذرا لہجہ بدلتے ہوئے کہا۔

"میرے دوست کیوکادو ــ تم اس بار مجھے بیوقوف نہ بنا سکو گے۔ تم نے اس سے پہلے بھی کئی بار مجھ سے وعدہ کیا کہ تم ٹیکس ادا کر دو گے مگر تم نے کبھی اپنے وعدے کا پاس نہیں رکھا۔"

"مگر اب میں یقین دلاتا ہوں کہ ٹیکس ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ اور ــــ!"

ابھی وہ کچھ اور کہنے والا تھا کہ گورنر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ یہ مسئلہ آج ہی طے ہو جائے۔ اگر تم نے اب بھی میری درخواست نہ مانی تو یاد رکھو میں تمہیں اس کمرے سے جانے نہیں دوں گا۔"

جیسے ہی گورنر نے یہ جملے کہے کیوکادو جلدی سے بول پڑا۔

" دوست سوکے گیمی۔ اسقدر غصّے میں مت آؤ۔ میں تم سے وعدہ کر رہا ہوں کہ عنقریب سارا ٹیکس ادا کر دوں گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اِس مہینے کے آخر تک ٹیکس ادا ہو جائیگا۔ کیا اب بھی تم مطمئن نہیں ہو۔۔۔؟ "

" نہیں ہرگز نہیں ۔ مجھے تم پر بھروسہ نہیں ہے۔"

گورنر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

" تم جانتے ہو کہ ہم کئی برس سے آپس میں دوست ہیں اسلیئے میں نہیں چاہتا کہ تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔ جو کچھ ہوا سو ہوا لیکن اب میں تم سے کہتا ہوں کہ ابھی فوری طور پر تمام ٹیکس ادا کر دو۔۔۔! "

گورنر کے اتنا کچھ کہنے کے باوجود کیو کادو ابھی تک یہی کہہ رہا تھا۔

"جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا ہے، میں فوری طور پر اور اسی وقت ٹیکس ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ بہر صورت میں اپنے منیجر سے بات کرتا ہوں تاکہ ٹیکس ادا کرنے کی کوئی صورت نکالی جائے۔"

جونہی گورنر نے یہ بات سُنی وہ غصّے میں آگیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اتنا کچھ کہنے سُننے کے باوجود کیو کادو کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور وہ ابھی تک اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھا۔ چنانچہ اس نے انتہائی غصّے کے عالم میں چیخ کر کہا۔

"سپاہیو۔! انہیں اندر لے آؤ۔۔۔!"

کیو کادو ابھی تک مطمئن بیٹھا ہوا تھا تاہم وہ حیران ضرور ہو رہا تھا کہ گورنر نے کن چیزوں کو اندر لانے کا حکم دیا ہے۔۔۔؟ وہ اسی شش و پنج میں گرفتار سوچ ہی رہا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے دروازہ کھُلا، پھر میاؤں میاؤں کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی ایک بھُورے رنگ کی بہت بڑی بلّی اندر داخل ہوئی۔ یہی نہیں بلکہ اس کے پیچھے پیچھے چار بلّیاں اور اندر آگئیں۔ ادھر جونہی کیو کادو نے بلّیاں دیکھیں وہ حواس باختہ ہو کر چیخ پڑا۔

" اوہ۔ بلّیاں۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔ از راہِ کرم انہیں لے جاؤ۔ انہیں کمرے سے نکال دو"

اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر گورنر سے درخواست کی کہ بلّیاں نکال دی جائیں مگر جواب میں گورنر صرف مُسکرا دیا۔ ادھر بلّیاں تھیں کہ میاؤں میاؤں کرتی ہوئیں اس کے قریب

آتی جا رہی تھیں۔ پھر ہوا یہ کہ ایک بلّی چھلانگ لگا کر اس کی گود میں آ گئی اور دوسری اُچھل کر اس کے کندھے پر سوار ہو گئی۔ تیسری قریب آ کر اس کے کیمونو کی آستین سونگھنے لگی اور باقی دو اِدھر اُدھر گھومنے لگیں۔

اس وقت کیو کا دو کی حالت قابلِ رحم تھی۔ وہ بے بس تھا۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا اور خوف سے بُری طرح کانپ رہا تھا۔ گورنر سوکے گیمی نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو دل ہی دل میں خوش ہو گیا کہ اس کی ترکیب کامیاب ہو رہی ہے۔ اس نے سپاہیوں کو بُلا کر کہا۔

"انہیں یہاں سے لے جاؤ۔!"

جیسے ہی گورنر نے حکم دیا سپاہیوں نے جلدی سے آگے بڑھ کر بلّیوں کو قابو میں کر لیا اور انہیں رسیّوں سے دروازے کے بازو سے باندھ دیا تاکہ وہ کیو کا دو کے قریب نہ جا سکیں۔ اب وہ بندھی ہوئیں صرف میاؤں میاؤں کر رہی تھیں اور ان کی میاؤں میاؤں سُن کر کیو کا دو کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ اس کا رنگ اسقدر زرد پڑ گیا تھا جیسے اس میں جان ہی نہ رہی ہو ــــ یہ دیکھ کر گورنر سوکے گیمی نے مسکراتے ہوئے اس سے دریافت کیا۔

"ہاں تو میرے دوست کیو کا دو ــــ کیا تم اب بھی ٹیکس ادا نہیں کرو گے ــ؟"

جواب میں کیو کا دو ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"ازراہِ کرم میری مدد کرو اور ان بلّیوں کو میرے سامنے سے کہیں دور بھیج دو ــ تم جو کہو گے میں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے ــــ میں بلّیوں کو یہاں سے بھیج دیتا ہوں ــ!"

گورنر نے کہنا شروع کیا

"لیکن اس سے پہلے کہ میں بلّیاں یہاں سے بھیجوں تم اپنے منیجر کو ایک خط لکھو۔ اس خط میں اس سے کہو کہ تمام ٹیکس آج ہی ادا کر دیا جائے ــــ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں ابھی حکم دوں گا کہ بلّیاں دوبارہ تمہارے پاس لا کر چھوڑ دی جائیں ــــ؟"

"نہیں نہیں ــــ ایسا مت کرو ورنہ میں یقیناً یہیں مر جاؤں گا۔ انہیں دوبارہ میرے قریب مت لاؤ ــــ!"

"اگر یہ بات ہے تو ابھی اپنے منیجر کو خط تحریر کرو ـــ ؟"

"مجھے منظور ہے ـــ میں ابھی اور اسی وقت خط لکھتا ہوں تاکہ حکومت کا ٹیکس آج ہی ادا کر دیا جائے۔"

چنانچہ اسی وقت برش، روشنائی اور کاغذ پیش کیا گیا اور کیوکادو نے فوراً اپنے منیجر کو خط لکھا کہ آج ہی صوبہ یاتو کی حکومت کو چاولوں کی پانچ سو بوریاں ٹیکس کے طور پر دیدی جائیں۔ اور اس طرح گورنر کی اس ترکیب سے چالاک کیوکادو سے ٹیکس وصول کر لیا گیا۔

اس واقعہ کی خبر فوراً ہی سارے دارالحکومت میں پھیل گئی اور لوگ گورنر کی ذہانت کے قائل ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد سے کیوکادو باقاعدگی کے ساتھ حکومت کا ٹیکس ادا کرنے لگا تھا



شکاری اور بندر



گئے وقتوں کی بات ہے۔ جاپان کے صوبہ میماساکا میں کسی جگہ ایک شنتو عبادت گاہ واقع تھی یہ عبادت گاہ چھوٹی سی تھی اور اس کا نام جنجا تھا۔ اس علاقے کے لوگ اس عبادت گاہ سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے تھے کیونکہ یہ بندر اور ناگن سے منسوب تھی۔ ہر سال یہاں ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا جس میں نزدیک و دُور کے بے شمار عقیدت مند شامل ہوتے تھے۔ وہ عبادت گاہ میں طرح طرح کے نذرانے پیش کرتے تھے اور اپنی تمناؤں کی تکمیل کیلئے دعائیں مانگتے تھے۔ اس سالانہ میلے پر ایک اور رسم ادا کی جاتی تھی اور یہ رسم یہ تھی کہ دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے ایک انسانی جان کا نذرانہ پیش کیا جاتا تھا۔ قدیم زمانے سے لوگ یہاں انسانی قربانی دیتے چلے آ رہے تھے اور اس طرح اب تک ہزاروں لوگ قربان ہو چکے تھے۔ اگرچہ قربانی کی اس رسم سے لوگ بہت خوفزدہ ہوتے تھے، انہیں خوف رہتا تھا کہ نہ جانے اب کے کس کی باری آ جائے لیکن اس کے باوجود کسی کی ہمت نہ تھی جو اس سے انکار کرے۔ ایک تو یہ کہ یہ رسم ان کے آباؤ اجداد کے دَور سے چلی آ رہی تھی اور دوسرا یہ کہ دیوتاؤں کی خوشنودی اور انہیں راضی رکھنے کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ کوئی شخص بھی نہ تو دیوتاؤں کو ناراض کر سکتا تھا اور نہ ہی اپنے آباؤ اجداد کے طریقے کو چھوڑ سکتا تھا۔ دراصل یہ قربانی ان لوگوں کے مذہبی اعتقادات کا حصہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بڑی عقیدت اور باقاعدگی سے اس پر عمل کرتے چلے آ رہے تھے۔

جس زمانے کی یہ بات ہے اس سال صوبہ میماساکا کی ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی کو قربانی کے لیے چُنا جانا تھا۔ جیسے ہی یہ خبر پھیلی ہر وہ شخص پریشان ہو گیا جس کی بیٹیاں جوان تھیں اور ہر نوجوان لڑکی بیچاری خوفزدہ ہو گئی۔ جُوں جُوں سالانہ میلہ قریب آ رہا تھا تُوں تُوں بیٹیوں والے والدین اور بھی خوفزدہ ہوتے جا رہے تھے۔ لیکن کیا کر سکتے تھے۔؟ سب کے سب بے بس تھے۔ دیوتاؤں کو ناراض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ پورے صوبے کے لوگوں پر مصیبت اور تباہی آ جائے۔ پھر یہ کہ وہ اپنے

باپ دادا کی مروجہ رسم کو کیسے ترک کر سکتے تھے۔؟ برادری کے سامنے کیسے انکار کیا جا سکتا تھا۔؟ یہ تو صدیوں سے اسی طرح ہوتا چلا آ رہا اور آج تک کسی شخص نے چوں چرا نہیں کی تھی۔۔ ادھر صوبہ بھر کی تمام نوجوان لڑکیاں حیران و بے بس ہو رہی تھیں۔ ہر لڑکی اپنے دل میں ڈرتی ہوئی سوچ رہی تھی کہ نہ جانے کس کا نام آ جائے۔؟

آخر کار قربانی کے لئے ایک ایسی لڑکی کا انتخاب ہوا جس کی عمر سولہ برس تھی اور جو اپنے بوڑھے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کے ماں باپ اس سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ جونہی انہوں نے یہ سنا کہ قربانی کے لئے ان کی بیٹی کا انتخاب ہوا ہے تو وہ غریب کلیجہ پکڑ کر رہ گئے۔ ان کے بڑھاپے کا ایک ہی سہارا تھا اور وہ بھی چھن رہا تھا۔ دونوں بوڑھے میاں بیوی بُری طرح رو پیٹ رہے تھے لیکن ان کی مدد کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ جو بھی ان کی طرف دیکھتا وہ بھی رنجیدہ ہو جاتا، اس کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آتے تاہم ان کے دُکھ کا علاج کسی کے پاس نہ تھا۔

جس وقت سے لڑکی کو قربانی کے لئے منتخب کیا گیا تھا، اس روز سے اس کے ماں باپ بیچارے رو رہے تھے۔ اور جُوں جُوں قربانی کا دن قریب آ رہا تھا، ان کے غم میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ مگر مجبوری تھی۔ ان کو رسم کے مطابق عمل کرنا تھا اور قربانی کے دن تک بیٹی کو اچھے سے اچھا کھلانا پلانا اور پہنانا تھا۔ یہ بھی اس رسم کا ہی ایک حصّہ تھا۔ وہ اس رسم کو نبھا بھی رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ دن رات رو رو کر ہلکان بھی ہوتے جا رہے تھے۔

کرنا خدا کا یہ ہوا کہ ایک روز میما ساکا میں کہیں سے ایک شکاری اینو یاما آیا۔ اینو یاما محض شکاری ہی نہیں بلکہ ایک دلیر اور بہادر انسان ہونے کے علاوہ بڑا رحم دل بھی تھا۔ اس کے ساتھ شکاری کتّوں کا ایک غول تھا اور وہ پہاڑیوں میں ہرنوں اور جنگلی سؤروں کا شکار کرتا تھا۔ وہ جب صوبے میں آیا تو اس نے لوگوں سے اس رسم کے بارے میں سُنا۔ اسے یہ بھی پتہ چلا کہ شنتو عبادت گاہ کا سالانہ میلہ قریب ہے اور قربانی کے لئے ایک بوڑھے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی کا انتخاب ہو چکا ہے۔ اسے ان پر بڑا ترس آیا۔ وہ ان کا پتہ پوچھتا ہوا وہاں پہنچ گیا جہاں لڑکی اور اس کے بوڑھے ماں باپ رہتے تھے۔ جب وہ ان کے گھر گیا تو اس نے دیکھا بوڑھا اور اس کی بیوی بُری طرح رو رہے تھے۔ ان کی نوجوان اور حسین بیٹی اداس اور غمزدہ بیٹھی تھی۔ اینو یاما نے جا کر انہیں سلام کیا اور کہا

"مجھے تم سے گہری ہمدردی ہے۔ مجھے تمہاری بیٹی پر بھی رحم آرہا ہے۔!"

بوڑھے اور بڑھیا نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بیچارے جواب بھی کیا دیتے۔ محض ممنون نظروں سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

"میں ایک شکاری ہوں اور یہاں پر اجنبی ہوں۔"

اس نے کہنا شروع کیا۔

"میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ اب تو صرف موت کے دن کا انتظار ہے۔"

بوڑھے نے روتے ہوئے اسے جواب دیا۔ اس پر شکاری ایتو یامابولا۔

"نہیں اب بھی بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری بیٹی کی جگہ میں قربانی دوں۔ مجھے تمہاری بیٹی کی جان بچا کر دلی خوشی ہوگی۔"

"مگر یہ کیونکر ممکن ہے۔؟ دیوتا اس سے ناراض ہوجائیں گے۔؟"

بوڑھا اور بڑھیا دونوں ایک ساتھ بول پڑے۔

"یہ تم لوگوں کی غلط فہمی ہے۔"

شکاری انہیں سمجھاتے ہوئے بولا۔

"تم میرے کہنے پر عمل کرو۔ آج سے اپنے دروازے پر مقدس ہار لٹکا دو اور اپنے آپ کو گاؤں کے لوگوں سے دور رکھو۔ کسی سے ہرگز نہ ملو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری بیٹی زندہ رہے گی۔"

شکاری نے ان سے اتنا کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ واپس جا کر اس نے اپنے کتوں میں سے دو طاقتور کتے منتخب کئے اور انہیں بندروں سے لڑنے کی تربیت دینا شروع کردی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی تلوار بھی تیز کرنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی سے جنگ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

دن گزرتے گئے۔ اور پھر وہ دن بھی آگیا جب عبادت گاہ پر میلہ لگا۔ دور دور تک سے ہزاروں لوگ آئے اور عبادت گاہ میں اپنے نذرانے پیش کرنے لگے۔ دوسری طرف معبد کے چند راہب اور گاؤں کے چند سرکردہ لوگ بوڑھے بڑھیا کے گھر گئے تاکہ ان کی بیٹی کو قربانی کے لئے لایا جائے۔ وہ

وہ اپنے ساتھ لکڑی کا ایک بہت بڑا صندوق لیکر گئے تھے جس میں لڑکی کو بند کرکے لانا تھا۔ انہوں نے وہ صندوق بوڑھے کے گھر لے جا کر رکھ دیا اور کہا۔

" ہم باہر کھڑے ہیں — اپنی بیٹی کو صندوق میں بند کر دو — اور جب وہ صندوق میں بند ہو جائے تو ہمیں آواز دیکر اندر بلا لو — مگر یہ سب کچھ جلدی کرو — قربانی کا وقت بہت قریب ہے۔ ہمیں جلدی عبادت گاہ میں پہنچنا ہے "!

اتنا کہہ کر راہب اور دوسرے لوگ گھر کے باہر انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ اور دوسری طرف گھر کے اندر یہ ہوا کہ کمرے میں چھپا ہوا شکاری صحن میں آیا۔ اس کے ساتھ اس کے وہ دونوں کتے بھی تھے جنہیں اس نے بندروں سے لڑنے کے لئے تیار کیا ہوا تھا۔ اس نے اپنے کیمونو کی آستین میں تلوار چھپالی اور اپنے دونوں کتوں کو ساتھ لیکر اس بڑے صندوق میں بند ہو کر بیٹھ گیا۔ جیسے ہی یہ سب کچھ ہوا اس کے ساتھ ہی بوڑھے نے باہر کھڑے ہوئے لوگوں کو آواز دی۔

"میں نے بیٹی کو صندوق میں بند کر دیا ہے — آپ لوگ صندوق اُٹھالیں — !"

جونہی اس نے پکارا لوگوں نے جلدی سے گھر کے اندر آکر صندوق اٹھایا اور چل دیئے۔ اس موقع پر شکاری کی تجویز کے مطابق بوڑھا اور بڑھیا زور زور سے رونے پیٹنے لگے کہ :۔

" ہائے — اب ہماری بیٹی ہم سے کبھی نہ مل سکے گی — !"

راہبوں اور دوسرے لوگوں نے خیال کیا کہ بیچارے بیٹی کے غم میں رو رہے ہیں لہٰذا انہوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور صندوق اٹھانے والوں سے کہا۔

" جلدی چلو — جلدی چلو — قربانی میں دیر نہ ہو جائے !"

ان میں سے کوئی آدمی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ جس صندوق کو اٹھائے لئے جا رہے ہیں اس میں لڑکی کی بجائے شکاری اور اس کے دو طاقتور کتے بند ہیں۔ وہ صندوق لیکر جلد سے جلد عبادت گاہ میں پہنچ گئے جہاں پہلے سے ہزاروں لوگوں کا ہجوم ان کے انتظار میں تھا۔ انہوں نے صندوق کو لے جا کر مقدس پہاڑ کے دامن میں واقع عبادت گاہ میں رکھ دیا جہاں دیوتاؤں کے لئے لڑکی کی قربانی دی جانے والی تھی۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف بوڑھا، بڑھیا اور ان کی بیٹی اپنے گھر میں یہ سوچ سوچ

کر پریشان ہو رہے تھے کہ کہیں دیوتا ان سے ناراض نہ ہو جائیں۔ اگر لڑکی کی جگہ کسی دوسرے کی قربانی دینے سے وہ ناراض ہو گئے تو ان کے پورے خاندان کو سزا ملے گی اور لوگ بھی انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہی کچھ سوچ کر وہ سخت پریشان تھے۔

جب قربانی کا ... ہو گیا تو راہبوں کی ہدایت کے مطابق عبادت گاہ کا پرانا دروازہ کھولا گیا اور صندوق کو اندر رکھ کر پھر سے دروازہ بند کر دیا گیا۔

جب لوگ صندوق عبادت گاہ کے اندر رکھ کر چلے گئے اور باہر سے دروازہ بند کر دیا گیا تو شکاری نے آہستہ سے صندوق کا تھوڑا سا ڈھکنا کھولا اور جھانک کر دیکھا تو اس کے بالکل سامنے قربان گاہ پر ایک بہت بڑا بندر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسقدر بڑا تھا کہ اس کا قد کسی طرح بھی سات فٹ سے کم نہ تھا۔ جیسے ہی بندر نے صندوق دیکھا، وہ بہت خوش ہوا کہ ایک انسان کھانے کو ملا ہے۔ وہ خوشی سے منہ پھاڑ پھاڑ کر جمائیاں لینے لگا۔ اس وقت اس کے دائیں اور بائیں جانب پچاس پچاس کی تعداد میں چھوٹے بندر بیٹھے ہوئے تھے جو اپنی زبان میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ ان کی زبان تو شکاری نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن وہ اتنا ضرور اندازہ کر رہا تھا کہ اس وقت تمام چھوٹے بڑے بندر خوش ہو رہے تھے۔ جہاں سات فٹ قد کا بڑا بندر بیٹھا ہوا تھا اس کے آگے ایک بہت بڑا تختہ رکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک تیز دھار والا چاقو پڑا تھا۔ یہ سب کچھ قربان ہونے والے انسان کو کاٹنے اور ٹکڑے کرنے کے لئے تھا تاکہ اس کے بعد اسے کھایا جا سکے۔

چند لمحے بھی نہ گذرے تھے کہ بڑا بندر بڑے فخر اور غرور سے اُٹھا اور چلتا ہوا صندوق کے پاس آیا۔ قریب آ کر اس نے جیسے ہی صندوق کا ڈھکنا اٹھایا، اس کے ساتھ ہی اندر سے شکاری نے دونوں کتوں کو باہر نکالا اور خود بھی تلوار تان کے چھلانگ لگا کر باہر آ گیا۔ دونوں کتوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور بڑے بندر پر جھپٹ پڑے اور جہاں داؤ لگا اسے کاٹنا شروع کر دیا۔ ادھر شکاری بھی بڑھ بڑھ اس پر وار کر رہا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے بندر زخموں سے چور ہو گیا اور زمین پر گر پڑا۔ شکاری نے جب یہ دیکھا کہ بڑا بندر زخمی اور نڈھال ہو کر گر پڑا ہے تو وہ اسے گھسیٹتا ہوا اس تختے کے اوپر لے گیا جہاں انسانوں کے ٹکڑے کئے جاتے تھے۔ اس نے بندر کو تختے پر لے جا کر کہا۔

"ہم نے آج تک بہت سی معصوم لڑکیوں کو یہاں قتل کیا ہے مگر آج میں اس کی سزا کے طور پر تمہیں اسی تختے پر قتل کروں گا۔"

بڑے بندر نے جب یہ دیکھا کہ واقعی شکاری اسے قتل کرنے لگا ہے تو اس نے اپنی مدد کے لیے چھوٹے بندروں کو پکارا مگر وہ تو پہلے ہی مصیبت میں گرفتار تھے کیونکہ ان پر دونوں کتے بری طرح جھپٹ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ شکاری کی منت کرتے ہوئے بولا۔

"مجھے معاف کردو ـــ مجھے معاف کردو ـــ!"

"نہیں ـ تم معافی کے قابل نہیں ہو ـــ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ ـــ!"

شکاری بلند آواز میں بولا اس پر بندر روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔

"جو بھی میں نے جرم کیا ہے، مجھے اس کے لیے معاف کردو ـ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کسی انسان کو قتل نہیں کروں گا ـــ ازراہِ کرم میری جان بخشی کردو ـــ!"

"بکواس بند کرو ـ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

شکاری نے ڈانٹ کر کہا ـــ اور پھر اِدھر اُدھر دیکھا تو اس کے دونوں کتوں نے کئی ایک چھوٹے بندروں کو ہلاک کر دیا تھا اور باقی وہاں سے فرار ہو چکے تھے۔

عبادت گاہ کے اندر تو یہ کچھ ہو رہا تھا اور باہر تمام راہب اور دوسرے لوگ بڑے تجسس میں کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ اتنے میں لوگوں نے دیکھا کہ سب سے بڑے راہب نے یکایک ایک طرف کو بھاگنا شروع کر دیا ـ وہ بھاگتا بھی جا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ رہا تھا۔

"تم سب لوگ میری بات سنو ـ میں اس عبادت گاہ کا دیوتا ہوں ـ اب میں مزید کسی کی قربانی نہیں چاہتا ـ آج میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ کسی لڑکی کو نہیں کھاؤں گا ـ کسی کو قتل نہیں کرونگا۔ آج مجھے ایک شکاری نے قابو کر لیا ہے ـــ وہ مجھے قتل کر دے گا ـــ میری مدد کرو ـ میری جان بچاؤ!"

وہ یہ کہتا ہوا آنکھوں سے اوجھل ہو گیا ـ اس کے جانے کے بعد لوگ ایک دوسرے سے بلند آواز میں کہنے لگے۔

"یقیناً اس راہب میں دیوتا حلول کر گیا ہے ـ! اس میں دیوتا داخل ہو گیا ہے ـ"

انہوں نے لپک کر عبادت گاہ کا دروازہ کھولا اور اندر جا کر دیکھا تو شکاری بندر کی گردن پر

تلوار رکھے اسے قتل کرنے ہی والا تھا۔ انہوں نے اسے روکا۔

"رُک جاؤ۔۔۔ رُک جاؤ۔۔۔! بندر کو ہلاک نہ کرو۔۔۔!"

اس کے بعد انہوں نے قریب جا کر شکاری کو ساری بات بتائی اور اس سے کہا کہ اب وہ اس جانور کو معاف کر دے مگر شکاری نے ان کی بات نہ مانی۔ وہ کہنے لگا۔

"اس بندر نے جو کچھ کیا ہے اسے اس کی سزا ضرور ملنی چاہیئے!"

جب شکاری نے یہ کہا تو بندر اس سے رحم کی درخواست کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے راہب کی زبان سے وعدہ کیا ہے کہ میں آئندہ کبھی کسی انسان کو نہیں کھاؤں گا۔۔۔ اسلئے ازراہِ کرم مجھے معاف کر دو۔۔۔ اب میں کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔؟"

بندر کی یہ بات سُن کر شکاری اینویامانے ہاتھ روک لیا۔ اس موقع پر لوگ بھی کہنے لگے۔

"اس جانور کو معاف کر دینا چاہیئے!"

چنانچہ شکاری نے ایسے ہی کیا اور بندر کو چھوڑ دیا۔ پھر جیسے ہی اس نے بندر کو چھوڑا وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور پہاڑ کی جانب چلا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد شکاری اینویامانے اسی لڑکی سے شادی کر لی تھی جس کی اس نے جان بچائی تھی اور وہیں بوڑھے بڑھیا کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گذارنے لگا تھا۔



سونے چاندی کا درخت



ایچی گو میں گیھا کا علاقہ انتہائی خوبصورت ہے اور یہ اپنی قدرتی دلکشی کیلئے دُور دُور تک مشہور ہے۔ خاص طور پر تو نوا پہاڑ سے اگر اس کا نظارہ کریں تو آدمی اس کا حسن دیکھ کر دم بخود رہ جاتا ہے۔ پہاڑ کی عمودی چٹان کے پیچھے ایک تالاب ہے جو بے اتھاہ گہرا ہے۔ اس تالاب کا نام زدگائی۔ گا۔ فوچی ہے۔ ایک روایت کے مطابق قدیم زمانے میں اس مقام کے ارد گرد ہموار زمین تھی اور یہاں ایک خوشحال خاندان آباد تھا۔ یہ خاندان قدیم زمانے سے یہاں آباد چلا آرہا تھا اور اسے لوگ تمایا خاندان کے نام سے پکارتے تھے۔

تمایا ایک تجارت پیشہ خاندان تھا اور پشت در پشت سے بحری جہاز والے کے ساز و سامان کی تجارت کرتا چلا آرہا تھا۔ اس خاندان کا سربراہ ایک شخص تو کوبی تھا جو انتہائی جفاکش اور محنتی تھا۔ وہ صبح سویرے ہی سے کام کاج میں لگ جاتا اور سارا دن جی لگا کر محنت کرتا رہتا۔ یہاں تک کہ رات ہو جاتی اور وہ رات گئے تک لگاتار کام میں مصروف رہتا۔ اس طرح مسلسل محنت سے اس نے بے انتہا دولت پیدا کر لی تھی۔ بہت سے گودام تعمیر کروائے تھے جن میں اس کا تجارتی ساز و سامان بھرا رہتا تھا۔ یوں اس نے ایک تاجر کی حیثیت سے نزدیک و دُور شہرت حاصل کر لی تھی۔ تو کوبی نے ایک ایسی عورت سے شادی کی تھی جو اس علاقے میں حسین ترین تھی۔ اس کے حُسن و خوبصورتی کی مثال نہیں تھی۔ اس عورت سے اس کا ایک بچّہ پیدا ہوا تھا اور اب وہ اپنی خوبصورت بیوی اور بچّے کے ساتھ زندگی گذار رہا تھا۔

اپنی بے انتہا دولت کی وجہ سے تو کوبی بڑے عیش و آرام سے زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس کے پاس کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ پیسہ اتنا تھا کہ جو چیز چاہتا پلک جھپکتے میں حاضر ہو جاتی۔ گویا اسے کسی چیز کی فکر نہ تھی۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ اب اسے ایک بات کی فکر ضرور ہو گئی تھی اور وہ یہ کہ اپنا اسقدر زیادہ سونا چاندی کہاں چھپائے۔۔۔؟ یہ سونا چاندی اس نے اپنی بیوی سے بھی چھُپا کر رکھا ہوا تھا۔ اس طرح سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اسے ایک غم لگ گیا تھا اور وہ اس غم میں دن رات پریشان رہنے لگا تھا۔

کبھی سوچتا۔

"یہ تمام سونا چاندی کسی گودام میں چھپا دوں۔۔!"

مگر پھر خود ہی کچھ سوچ کر اپنے آپ سے کہتا۔

"نہیں۔۔میرے ملازم اور ملازمائیں گودام میں جا سکتے ہیں۔ انہیں اس بات کا پتہ چل جائے گا کہ میں نے گودام میں سونا چاندی دبا رکھا ہے۔ اگر انہیں علم ہو گیا تو وہ سب چرا لے جائیں گے۔!"

پھر وہ اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے سوچنے لگتا۔

"میں ایسی جگہ اپنا سونا چاندی چھپاؤں گا جہاں انہیں خبر تک نہ ہو سکے گی۔ بھلا انہیں کیا معلوم کہ میں نے گودام میں کیا دبا رکھا ہے۔۔؟ وہ تو صرف یہ جانتے ہیں کہ گوداموں میں تجارت کا سامان بھرا ہوا ہے۔!"

اس خیال سے وہ تھوڑی دیر کے لئے مطمئن ہو جاتا لیکن دوسرے ہی لمحے اسے دوسرا خیال آتا۔ وہ سوچتا۔

"مان لیا کہ ملازموں کو پتہ نہیں چلے گا، مگر چوروں کا کیا بھروسہ۔۔؟ اس کی کیا ضمانت کہ چور گودام میں نقب نہیں لگائیں گے۔؟ گودام میں سے سونا چاندی چرانا تو ان کے لئے اور بھی آسان ہو گا۔۔!"

وہ یہ بات سوچ کر پھر اپنے آپ سے کہنے لگتا۔

"نہیں نہیں۔۔گودام بھی محفوظ نہیں ہے۔۔مجھے کوئی ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیئے جہاں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکے۔۔صرف اسی صورت میں میرا سونا چاندی محفوظ رہ سکتا ہے۔!"

توکوبی اسی فکر میں دن رات گھلا جا رہا تھا۔ اسے نہ رات کو نیند آتی اور نہ دن میں چین نصیب ہوتا۔ ہر وقت اسی سوچ میں کھویا رہتا اور دل ہی دل میں نت نئی تجویزیں سوچتا رہتا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ اس سلسلے میں کسی سے مشورہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایسا نہ ہو کسی دوسرے کو پتہ چل جائے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے آپ ہی مختلف تجویزیں سوچتا رہتا۔۔آخر بہت سی راتیں جاگ کر گذارنے کے بعد اس کے ذہن میں ایک انوکھی تجویز آئی وہ خوشی میں اچھل پڑا۔

"بہت خوب۔۔بالکل ٹھیک۔۔اس جگہ کسی کو پتہ نہیں چل سکے گا۔!"

اس کے مکان کے پچھواڑے میں بانسوں کا ایک گھنا جھنڈ تھا اور اس جھنڈ میں کیلا کا ایک درخت تھا۔ اس نے سوچا۔

"اگر میں اس کیلا کے درخت کے نیچے اپنا سارا سونا چاندی زمین میں دبا دوں تو کسی کو خبر نہ ہو گی۔"

چنانچہ ایک اندھیری رات میں توکوبی آہستہ سے اٹھا، اس نے اپنا سارا سونا چاندی باندھا، اور

ایک پھاوڑا لیکر دبے دبے پاؤں مکان کے پچھواڑے باغ کے جھنڈ میں پہنچ گیا۔ وہاں جاکر اس نے کمیلا کے درخت کے نیچے ایک گہرا گڑھا کھودا اور تمام سونا چاندی اس گڑھے میں ڈال کر اُوپر سے مٹی ڈال دی۔ پھر اس نے مٹی کو ہموار کر دیا تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے اور دبے دبے قدموں سے واپس گھر آگیا۔

توکوبی اپنی دولت دبا تو آیا تھا لیکن اس کے دل کو اب بھی اطمینان حاصل نہیں تھا۔ اسے ایک دھڑکا سا لگا ہوا تھا۔ وہ ابھی تک پریشان تھا اور اسے چین نصیب نہیں ہو رہا تھا۔ اب بھی اس کی راتوں کی نیند غائب تھی اور وہ اسی طرح فکر مند تھا۔ اس مسلسل پریشانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ توکوبی بیمار پڑ گیا اور اس کی صحت جواب دینے لگی۔

جب توکوبی کو علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو اس نے سوچا۔

"اگر میں قدرتی گرم چشموں میں نہاؤں تو میری بیماری دُور ہو سکتی ہے"

یہ خیال آتے ہی ایک روز اس نے اپنے ایک خاص ملازم کو ساتھ لیا اور متسونویاما کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ روزانہ قدرتی گرم چشموں کے حمام میں نہانے جاتا ۔۔۔ اور اس طرح وہاں رہتے ہوئے اسے پندرہ روز گذر گئے تھے۔ ایک روز وہ حسبِ معمول حمام میں نہا رہا تھا کہ اس کے کانوں میں ایک آواز آئی۔ اس نے غور سے سُنا تو باہر کوئی گا رہا تھا۔ اور بار بار یہ بول کہہ رہا تھا۔

"ایچی گو کے علاقہ گیہاما میں
تمایا کا کمیلا کا درخت ہے
اس کی شاخیں چاندی کی ہیں
اور پتے سونے کے ہیں"

جیسے ہی توکوبی نے یہ بول سُنے وہ چونک پڑا۔ حیران و پریشان ہو کر اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"میرا گھر یہاں سے بہت دُور ہے، اس کے باوجود اس شخص کو میری دولت کا راز معلوم ہو گیا ہے۔ یہ کیسے جان گیا کہ میں نے کمیلا کے درخت کے نیچے سونا چاندی دبایا ہوا ہے۔؟"

اس نے اپنے ملازم کو بُلا کر پُوچھا۔

"باہر یہ گانا کون گا رہا ہے ۔۔۔؟"

جواب میں اس کے ملازم نے بتایا کہ:۔

"ایک شخص یہ گانا تمایا خاندان کی تعریف میں گا رہا ہے ۔۔ وہ خوشحالی اور کامیابی کی دُعا دے رہا ہے"

لیکن ان الفاظ سے توکوبی کی پریشانی دُور نہ ہو سکی۔ اس نے اسی وقت جلدی جلدی تیاری

کی اور ملازم کو ساتھ لیکر واپس اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

توکوبی تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا جا رہا تھا۔ وہ اس وقت بھی طرح طرح کے خیالات میں گھرا ہوا تھا اور چاہ رہا تھا کہ جسقدر جلد ہو سکے کیہا میں اپنے گھر پہنچ جائے ــــ اور پھر ہوا بھی یہی، وہ بھاگم بھاگ جلد سے جلد اپنے گھر پہنچ گیا۔ جیسے ہی وہ گھر پہنچا ایک لمحہ ضائع کئے بغیر بانسوں کے جھنڈ میں کمیلا کے درخت کے نیچے چلا گیا۔ وہاں جاکر اس نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ اسقدر عجیب کہ وہ ششدر سا ہو کر بُت کی طرح کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ کمیلا کا درخت چمک دمک رہا تھا۔ اس کی شاخیں واقعی چاندی کی ہو چکی تھیں اور پتّے سونے کے تھے۔ جونہی توکوبی نے یہ سب کچھ دیکھا وہ چکرا سا گیا اور پھر بیہوش ہو کر وہیں زمین پر گر پڑا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے ملازموں اور دوسرے لوگوں کو پتہ چلا تو وہ اسے اُٹھا کر لائے لیکن اس کی حالت نہ سنبھل سکی۔ یہاں تک کہ وہ روز بروز موت کے قریب ہوتا چلا گیا۔ آخر جب اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو اس نے بیوی کو پاس بُلا کر کہا۔

میں تمہیں پہلی بار ایک راز بتا رہا ہوں۔ میں نے مکان کے پچھواڑے بانسوں کے جھنڈ میں کمیلا درخت کے نیچے سونا چاندی دبایا ہوا ہے۔ اور اسی لئے اس درخت کی شاخیں چاندی کی اور پتّے سونے کے ہو گئے ہیں۔

یہ بات کہہ کر جیسے ہی اس نے دم توڑا اس کی بیوی بھاگی بھاگی کمیلا درخت کے نیچے گئی۔ اس نے دیکھا تو کمیلا کا درخت اپنی عام حالت میں تھا جیسا کہ وہ ہوتا ہے۔ نہ اس کی شاخیں چاندی کی تھیں اور نہ پتّے سونے کے تھے۔ اس نے جلدی جلدی اس کے نیچے زمین کھودی مگر وہاں بھی اسے کچھ نہ مل سکا۔ وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔



پانی کا بھوت



آج سے صدیوں پہلے جاپان میں کسی جگہ ایک شہنشاہ کی حکومت تھی۔ اس شہنشاہ کا ایک بہت بڑا محل تھا جس کا نام "ریزی۔ اِن" تھا اور یہ دارالحکومت میں واقع تھا۔ کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ شہنشاہ کا انتقال ہوگیا اور اس کے مرنے کے بعد اس محل کو عوام کے لئے کھول دیا گیا۔ اس محل کا آدھا حصہ لوگوں کی رہائش کے لئے وقف تھا اور دوسرے آدھے حصے میں ایک بہت بڑا تالاب تھا۔ اس طرح شہنشاہ کے انتقال کو زیادہ عرصہ نہیں بیتا تھا کہ محل کے آس پاس بہت سے مکانات نظر آنے لگے، جن میں لوگ رہتے تھے۔

گرمیوں کے موسم کی ایک شام تھی اور فضا میں بڑا حبس ہو رہا تھا۔ گرمی کی وجہ سے لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے اور اپنے اپنے مکان کے برآمدوں میں آ بیٹھے تھے۔ ان کے بالکل سامنے تالاب تھا جس پر سے آنے والی ٹھنڈی ہوا انہیں سکون پہنچا رہی تھی۔ وہ سب ٹھنڈی ہوا کا لطف لے رہے تھے کہ اچانک ایک تین فٹ قد کا بوڑھا کہیں سے آیا اور اس نے لوگوں کے چہروں پر باری باری اپنا ہاتھ پھیرا۔ وہ جس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتا اسے جھرجھری سی آجاتی۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ یہ بوڑھا کسی کو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس عجیب و غریب بوڑھے نے اور کچھ نہیں کیا۔ بس، لوگوں کے چہروں پر ہاتھ پھیرا اور آگے تالاب کی طرف چلا گیا۔ جیسے ہی وہ آگے گیا وہ نظر آنے لگا۔ لوگوں نے اسے دیکھا اور حیران ہو کر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔

"یہ کون ہے ---؟"

"یہ کس قسم کا آدمی ہے ---؟"

اس وقت یہ بوڑھا تالاب کے کنارے پر کھڑا تھا۔ وہ چند لمحوں تک وہاں کھڑا رہا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"یہ بوڑھا کہاں چلا گیا --- ؟"

"کنارے سے آگے تو کچھ بھی نہیں --- صرف تالاب کا پانی ہے ---؟؟"

تمام لوگ حیران و پریشان ہو کر اس طرف دیکھ رہے تھے جہاں سے بوڑھا غائب ہوا تھا۔ یہ تالاب بہت پرانا تھا اور اس میں گھاس پھونس اور کائی اُگ آئی تھی اس لئے اس میں کوئی داخل نہ ہوتا تھا۔ انہوں نے سوچا۔

"یقیناً یہ تالاب کا بھوت ہے۔!"

اس شام کے بعد یہ عجیب و غریب بوڑھا ہر روز اندھیرا پھیلتے ہی آتا اور اسی طرح لوگوں کے چہروں پر ہاتھ پھیرتا اور چلا جاتا۔ یہ بات ہر شخص کے لئے انوکھی تھی چنانچہ پورے دار الحکومت میں مشہور ہو گیا کہ۔

"ہر شام ایک پُراسرار بوڑھا آتا ہے اور ان لوگوں کے چہروں پر ہاتھ پھیر کر چلا جاتا ہے جو تالاب پر سے آنے والی ٹھنڈی ہوا سے لُطف اندوز ہوتے ہیں۔"

"واقعی۔۔؟ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔۔؟"

جو بھی سنتا، حیران ہو کر یہی سوال کرتا۔

ایک شام ایک بہادر سامورائی نے اعلان کیا کہ۔

"کچھ بھی ہو، میں اس آدمی کو پکڑوں گا۔!"

چنانچہ جیسے ہی شام ہوئی وہ تالاب کے پاس بوڑھے کی تاک میں بیٹھ گیا۔ اس وقت اس کے پاس ایک رسا تھا جو اس نے بوڑھے کو باندھنے کے لئے رکھا ہوا تھا۔ وہ بیٹھا بوڑھے کا انتظار کرتا رہا لیکن بوڑھے کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"آج وہ مجھ سے ڈر کے نہیں آئے گا۔!"

وہ بڑبڑانے کے سے انداز میں خود سے کہنے لگا۔ تاہم وہ اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اُکتا کر اُونگھنے لگا۔ پھر جب آدھی رات کا سماں ہوا تو اچانک اس نے یوں محسوس کیا جیسے کوئی اس کے چہرے پر ٹھنڈا ہاتھ پھیر رہا ہو۔

"ٹھہرو۔۔ اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔!"

وہ اتنا کہہ کر لپک کر اُٹھا، بڑی تیزی سے بوڑھے کو دبوچ لیا اور اسے رسّے سے مضبوطی سے باندھ دیا۔ اس کے بعد اس نے لوگوں کو پکار کر کہا۔

"جلدی سے سب آجاؤ۔ میں نے بوڑھے کو پکڑ لیا ہے۔!"

اس کا پکارنا تھا کہ اس کے ساتھ ہی بہت سے لوگ بھاگ کر اس کے پاس آئے اور بوڑھے کے اردگرد جمع ہو گئے انہوں نے ٹارچ کی روشنی ڈال کر دیکھا تو وہ ایک تین فٹ قد کا غریب سا بوڑھا تھا جس نے پیلے رنگ کا پھٹا پُرانا کیمونو پہن رکھا تھا۔ بوڑھے نے

اپنے گرد لوگوں کو جمع دیکھ کر آنکھیں اس طرح جھپکائیں جیسے وہ حیران ہو رہا ہے۔

"تم کون ہو — ؟"

"تم کہاں سے آئے ہو — ؟"

لوگوں نے ایک ساتھ اس پر سوالات کی بوچھار کر دی لیکن بوڑھا بالکل خاموش کھڑا تھا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش کھڑا رہا اور پھر لوگوں سے درخواست کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"ازراہِ کرم میرے لئے پانی سے بھرا ہوا ایک بڑا تسلا لایا جائے — !"

اسی وقت دو تین آدمی بھاگے بھاگے گئے اور ایک بہت بڑا تسلا لیکر آ گئے جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے یہ تسلا لا کر بوڑھے کے آگے رکھ دیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں، بوڑھا کیا کرتا ہے۔ ؟

بوڑھے نے تسلے پر اس طرح اپنا چہرہ جھکایا کہ اس کا عکس پانی میں نظر آنے لگا۔ اس کے بعد وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"میری بات سنو — میں پانی کا بھوت ہوں!"

اتنا کہنے کے ساتھ ہی وہ اُچھل کر پانی میں کود گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بوڑھا پانی میں غائب ہو چکا تھا۔ جیسے ہی وہ غائب ہوا تسلے کا پانی جوش کھا کر اُبلنے اور اُچھلنے لگا۔ یہ بات لوگوں کے لئے اور بھی عجیب و غریب تھی۔ اس وقت اس پانی میں صرف وہ رسّا باقی نظر آ رہا تھا جس سے بوڑھے کو باندھا گیا تھا۔

اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی عجیب و غریب بوڑھا پانی کا بھوت تھا۔ انہوں نے بڑی احتیاط سے پانی سے بھرا ہوا تسلا اُٹھایا اور اسے لے جا کر تالاب میں انڈیل دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس رات کے بعد سے آج تک وہ عجیب و غریب بوڑھا پھر کبھی اس تالاب سے ظاہر نہیں ہوا۔



شہزادی کی تلاش



پُرانے وقتوں کی بات ہے جاپان میں کسی جگہ تین بھائی رہتے تھے۔ ایک کا نام تارو، دوسرے کا جیرو اور تیسرے بھائی کا نام سابورو تھا۔ ایک روز تینوں بھائیوں نے آپس میں طے کیا کہ:۔
"ہمیں شکار کے لئے چلنا چاہیئے۔!"
انہوں نے ضروری تیاری کی اور شکار کے لئے پہاڑ تادے شینا پر جانے کا ارادہ کیا۔ ان کے اس ارادے کی خبر بہت سے لوگوں کو ہوگئی۔ وہاں کے حکمران کی ایک نہایت خوبصورت اور جوان بیٹی تھی۔ یہ خبر اس تک بھی پہنچی۔ جیسے ہی اس نے یہ سنا کہ تارو، جیرو اور سابورو تادے شینا پہاڑ پر شکار کے لئے جا رہے ہیں تو وہ اپنے باپ سے کہنے لگی۔
"ابا جان ـــ میں بھی ان نوجوانوں کے ساتھ شکار پر جانا چاہتی ہوں۔!"
حکمران اپنی بیٹی سے بہت محبت کرتا تھا اس لئے وہ اس کی بات سے انکار نہ کر سکا۔ اور اسے اجازت دے دی۔ جیسے ہی باپ نے اجازت دی شہزادی تینوں بھائیوں کے پاس جا کر کہنے لگی۔
"تم لوگ شکار کے لئے تادے شینا پہاڑ پر جا رہے ہو، میں بھی تمہارے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ ؟"
تینوں بھائیوں نے اسے سمجھایا۔
"یہ سفر بہت دشوار ہے۔ تم ہمارے ساتھ کہاں ماری ماری پھرو گی۔ ؟ بہتر یہی ہے کہ اپنے ارادے سے باز آجاؤ ـــ ؟"
مگر شہزادی نہ مانی ـــ وہ اپنی ضد پر قائم رہی ـــ کہنے لگی۔
"خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو میں تمہارے ساتھ ضرور جاؤں گی ۔!"
چنانچہ وہ چاروں مل کر شکار کے لئے چل دیئے
وہ چاروں چلتے چلاتے اس جگہ پہنچ گئے جہاں 'دوناگو' ایکے' تالاب واقع تھا۔ جب وہ اس تالاب کے پاس پہنچے تو اچانک شہزادی غائب ہو گئی ـــ یہ دیکھ کر تینوں بھائی بڑے

حیران اور پریشان ہوئے۔ انہوں نے اِدھر اُدھر شہزادی کو بہت تلاش کیا مگر وہ کہیں نظر نہ آئی مگر وہ مایوس نہ ہوئے اور اسے تلاش کرنے میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں زمین میں ایک کنواں سا بنا ہوا تھا۔ سب سے چھوٹے بھائی سابورو نے کنوئیں میں جھانکا اور بلند آواز میں پکار کر آواز دی ــــ

"کیا شہزادی کنوئیں میں ہے ــــ؟"

اس کا پکارنا تھا کہ کنوئیں میں سے آواز آئی ــــ

"کیا یہ آواز سابورو کی ہے ــــ؟"

واقعی شہزادی وہاں موجود تھی۔ سابورو نے غور سے جھانک کر دیکھا تو کنوئیں کے اندر ایک محل کے پاس شہزادی کھڑی تھی۔ یہ دیکھ کر تینوں بھائیوں نے جلدی جلدی جنگل میں سے بیلوں کی ٹہنیاں اکٹھی کرنا شروع کر دیں۔ جب وہ جنگلی بیلوں کی ٹہنیاں جمع کر چکے تو انہوں نے ان سے ایک بڑی سی ٹوکری بنائی، پھر بیلوں ہی سے ایک رسّا تیار کیا اور اس کے بعد ٹوکری کنوئیں میں لٹکا کر شہزادی کو پکار کر کہا۔

"شہزادی! اس ٹوکری میں بیٹھ جاؤ ــــ!"

شہزادی ٹوکری میں بیٹھ گئی اور تینوں بھائیوں نے اسے کنوئیں میں سے باہر نکال لیا لیکن جیسے ہی وہ کنوئیں سے باہر آئی بڑے اُداس لہجے میں کہنے لگی۔

"میں جلدی میں کنوئیں میں اپنی انتہائی قیمتی کتاب بھول آئی ہوں۔ اس کتاب میں حکیمانہ اقوال ہیں اور یہ میرے ماں باپ نے مجھے دی ہے۔ میں اس کتاب کے بغیر نہیں جا سکتی۔!"

یہ دیکھ کر سابورو بولا۔

"اچھا ــــ میں تمہاری کتاب لاتا ہوں!"

وہ ٹوکری میں بیٹھ گیا اور بھائیوں نے اسے کنوئیں میں اُتار دیا اور خود اس کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگے۔

وہ سب کھڑے بڑی بے قراری سے سابورو کا انتظار کر رہے تھے۔ بہت دیر گزر گئی اور سابورو کنوئیں سے باہر نہ آیا۔ انہوں نے بہت آوازیں دیں، پکارتے رہے لیکن سب بے سُود۔ جب وہ مایوس ہو گئے تو انہوں نے رسّا وہیں پھینکا اور واپس چل دیئے۔ لیکن شہزادی بڑے غمگین لہجے میں کہنے لگی۔

"میں سابورو کے بغیر واپس نہیں جاؤں گی۔"

اس نے یہ کہا اور سووا جھیل میں کود گئی۔

دوسری طرف سابورو زمین کی تہہ میں ٹہلتا ہوا ایک طرف نکل گیا۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں ایک خوبصورت گاؤں آباد تھا۔ گاؤں کے لوگوں نے اسے دیکھا تو ایک بہادر

ساموائی کی طرح اس کا استقبال کیا۔ سابورو کی بڑی آؤ بھگت کی گئی اور وہ وہیں رہنے لگا۔ چند روز بعد گاؤں کے ایک آدمی کی بیٹی سے اس کی شادی ہوگئی۔ پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ ایک بچے کا باپ بن گیا۔ اور اس طرح وہاں رہتے ہوئے اسے پورے نو سال بیت گئے۔

ایک روز سابورو بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا کہ اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس کی بیوی اسے آنسو بہاتے ہوئے دیکھ کر بڑی حیران ہوئی اور جب اس نے اس کی وجہ دریافت کی تو سابورو نے اسے اپنی ساری کہانی سُنائی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ یہاں کیسے آیا تھا۔۔؟ پھر وہ بیوی سے کہنے لگا۔

"مجھے ابھی تک شہزادی سے محبت ہے اور میں اسے نہیں بھُولا"

اس کی یہ بات سُن کر اس کی بیوی ہمدردی کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم شہزادی کی تلاش میں جا سکتے ہو۔ اپنے ساتھ چاولوں کے سات پیالے ضرور لے جانا"

بیوی کی اجازت سے سابورو خوش تھا۔ وہ شہزادی کی تلاش میں سفر پر چل دیا۔

وہ چلتا رہا۔ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ 'اونوماموار' کی ایک عبادت گاہ 'دشن راکوجی' کے پاس پہنچ گیا۔ جونہی وہ وہاں پہنچا گاؤں کے چند لڑکے شور کرنے لگے۔

"سانپ۔ سانپ۔ سانپ!"

شور سُن کر سابورو گھبرا گیا اور اس نے سوا جھیل کے پانی کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ اتنے میں اس نے دیکھا تو پانی میں سے شہزادی اُبھری اور اسے اپنی طرف اشارہ کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی سابورو جھیل کے پانی میں اُتر گیا۔

سابورو کو گئے ہوئے چند برس بیت چکے تھے۔ ایک روز اس کی بیوی بیٹھی رو رہی تھی کہ اس کے بیٹے نے اس کے رونے کا سبب پوچھا، اس کی ماں نے اسے ساری بات بتائی کہ کس طرح اس کا باپ گیا اور پھر واپس نہیں آیا۔ یہ سُن کر بیٹے نے چاولوں کے نو پیالے تیار کئے اور کہا۔

"ماں! تم یہ چاولوں کے پیالے لو اور میرے باپ کی تلاش میں جاؤ!"

اس کی ماں نے پیالے لئے اور سابورو کی تلاش میں چل نکلی۔ وہ مختلف جگہوں پر گھومتی رہی اور سابورو کو تلاش کرتی رہی۔ اور آخر کار وہ سوا جھیل پر پہنچ گئی۔

اُسی وقت سے لیکر آج تک، سوا جھیل کے پانی کی سطح پر ہمیشہ برف کی ایک دھاری سی اُبھرتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جھیل پار کرنے کے لئے دیوتا کا راستہ ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ جھیل کے نیچے جانے کا راستہ ہے جس پر سے گزر کر سابورو شہزادی اور بیوی کے گھر آتا اور جاتا ہے۔



سونے کے سکّوں والا ڈبّا



آج سے صدیوں پہلے کی بات ہے۔ جاپان میں کسی جگہ ایک امیر آدمی رہتا تھا۔ اس کے پاس بہت سے صندوق کی طرح کے ڈبے تھے جن میں اس کی دولت بھری ہوئی تھی۔ اس نے ہر ڈبے میں سونے کے ایک ہزار سکے بھرے ہوئے تھے اور اس طرح وہ بے شمار دولت کا مالک تھا۔

چوری کے خوف سے اس نے اپنی دولت کی حفاظت کے لیے بہت سے نوکر چاکر رکھے ہوئے تھے تاکہ کوئی چور اس کی دولت تک نہ پہنچ سکے مگر بہت سے چور اس کی دولت کی تاک میں تھے۔

اس امیر آدمی کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر رات سونے کے سکوں سے بھرا ہوا ایک ڈبا اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر سوتا تھا اور یہ بات چوروں کو بھی معلوم تھی۔ کئی ایک نے کوشش بھی کی کہ کسی طرح اس کے سرہانے کے نیچے سے ڈبا چرایا جائے لیکن کوئی بھی شخص اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اوّل تو امیر آدمی کے بستر تک پہنچنا ہی مشکل تھا۔ کیونکہ اس کے مکان کے دروازوں پر تالے لگے ہوتے تھے اور پھر بڑے دروازے پر سخت پہرا ہوتا تھا۔ اگر کوئی چور ہمت کر کے مکان میں کسی طرح داخل بھی ہو جاتا تو اس کا پکڑا جانا یقینی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہزار کوششوں کے باوجود کوئی چور اب تک سونے کے سکوں سے بھرا ہوا ڈبا چرانے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ اگرچہ اس کے مکان میں داخل ہونے کے دو تین دروازے تھے لیکن اس قدر سخت حفاظتی انتظامات کے ہوتے ہوئے ان میں داخل ہونا ممکن نہ تھا۔

ادھر امیر آدمی کو بھی علم تھا کہ بہت سے چور اس کی دولت کی تاک میں ہیں اور کئی ایک نے اسے چرانے کی کوشش بھی کی ہے لیکن وہ ناکام ہو چکے ہیں۔ یہی کچھ جانتے ہوئے اس نے اعلان کیا کہ:۔

"اگر کوئی چور اس کے تکیے کے نیچے سے دولت کا ڈبا گرفتار ہوئے بغیر چرا لے تو وہ ڈبا اسی کو دے دیا جائے گا اور اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔!"

اعلان کا ہونا تھا کہ بہت سے ہوشیار اور ماہر چوروں نے رات کے وقت ڈبا چرانے کی کوشش کی مگر ان میں سے کئی ایک تو مکان میں داخل ہونے سے پہلے ہی پکڑے گئے اور جو مکان میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے انہیں ملازموں نے قابو کر لیا۔ اس طرح کئی دن گزر گئے اور کوئی بھی چور سونے کے سکوں سے بھرا ہوا ڈبا نہ چرا سکا۔

ایک دن کا ذکر ہے۔ ایک شخص امیر آدمی کے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا۔
"آج رات میں آپ کے تکیے کے نیچے سے ڈبا چراؤں گا۔!"
امیر آدمی اس کی بات سن کر بہت ہنسا اور بولا۔
"اب تک بڑے بڑے ماہر اور ہوشیار چور یہ کوشش کر چکے ہیں اور سب کے سب ناکام ہوئے ہیں۔ تم تو ایک عام سے آدمی ہو، تم یہ مشکل کام کیسے کر لو گے۔؟"
جواب میں اس آدمی نے بڑے اطمینان سے کہا۔
"بہر صورت، میں آج رات آؤں گا اور یہ کام کر کے دکھاؤں گا۔!"
"ڈبا چرانا تو دور کی بات ہے، اگر تم میرے کمرے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تو میں تمہیں سونے کے سکوں سے بھرا ہوا ڈبا دے دوں گا۔!"
وہ شخص وہاں سے چلا گیا اور امیر آدمی اپنے حفاظتی انتظامات اور زیادہ سخت کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس نے اپنے تمام ملازموں اور چوکیداروں کو بلایا اور کہا۔
"آج رات ایک چور ڈبا چرانے آئے گا۔ تم لوگوں کو پہلے سے زیادہ ہوشیار رہنا ہوگا۔"
"آپ فکر نہ کریں۔ کسی کی مجال نہیں جو اندر آسکے۔"
تمام ملازم بیک زبان ہو کر بولے۔ اس پر امیر آدمی نے انہیں تاکید کرتے ہوئے کہا۔
"اس کے باوجود آج رات تم سب کو پہلے سے زیادہ چوکنا رہنا ہوگا۔"
"آپ پورا اطمینان رکھیں۔ ہمارے ہوتے ہوئے کوئی نہیں آسکتا۔"
ملازم امیر آدمی کو یقین دلا کر چلے گئے۔ دوسری طرف چور کو بھی اس بات کا بخوبی علم تھا کہ آج رات امیر آدمی کے گھر میں سخت پہرا ہوگا مگر وہ بھی اپنی جگہ تیار تھا۔ اس نے چاول پکائے اور تین پیالوں میں بھر لئے۔ پیال کا ایک گٹھا لیا اور بیس تیس باجرے کے کیک تیار کئے۔ اس کے بعد اس نے ایک رسی، ایک بانسری اور ایک لکڑی کا تکیہ لیا۔۔۔ اور پھر جونہی رات ہوئی وہ یہ تمام چیزیں لیکر امیر آدمی کے گھر پہنچ گیا۔
رات گہری ہو چکی تھی۔ چور نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا اور آہستہ سے مکان کے پہلے دروازے میں داخل ہو گیا۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا سامنے سے ایک خوفناک بیل سینگ اٹھائے اس پر حملہ کرنے کے لئے لپکا لیکن چور نے جلدی سے پیال کا گٹھا اس کے آگے پھینک دیا۔ پیال کا گٹھا دیکھتے ہی بیل رک گیا اور اسے چھوڑ کر پیال کھانے میں مصروف ہو گیا۔
اب چور دھیرے دھیرے وہاں سے آگے بڑھا اور کسی ترکیب سے دوسرا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ جونہی اس نے دوسرے دروازے کے اندر قدم رکھا تین بڑے بڑے قد کے خونخوار کتے غراتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔ جیسے ہی کتے غرائے اس نے جلدی سے چاولوں سے بھرے ہوئے تینوں پیالے ان کے آگے رکھ دیئے۔ پیشتر اس کے کہ کتے بھونکتے یا شور کرتے انہوں نے پیالوں میں چاول

دیکھے اور لپک کر انہیں کھانے میں مصروف ہو گئے۔ اس طرح چور اس مرحلے سے بھی گزر گیا اور اب وہ بغیر کسی مشکل سے مکان میں داخل ہو سکتا تھا۔

اب وہ ایک کمرے میں داخل ہو چکا تھا جس میں بہت سے ملازم سوئے ہوئے تھے۔ اس نے بڑی ہوشیاری اور آہستگی سے ان سب کے بال رسّی سے اس طرح باندھ دیئے کہ وہ سب ایک دوسرے سے بندھ گئے۔ پھر وہ دوسرے کمرے میں گیا تو وہاں ملازم خواتین سوئی ہوئی تھیں اس نے ان سب کے کولہوں پر باجرے کے کیک رکھ دیئے اور جلدی سے باورچی خانے میں جاکر بانس کی بنی ہوئی پھونکنی میں بانسری پھنسا دی۔

ادھر جب مرد ملازم جاگے تو سب پریشان ہو کر چیخنے لگے۔

"میرے بال کون کھینچ رہا ہے۔؟ میرے بال مت کھینچو۔!"

وہ سب آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ اور دُوسری جانب ملازم عورتیں شور کرنے لگیں۔

"یہ میرے کولہے پر کیا ہے۔؟ یہ تم نے کیوں رکھا ہے۔؟"

اس طرح وہ سب ایک دوسرے کو الزام دے رہے تھے۔ اس آپا دھاپی میں چور کو وقت مل گیا اور وہ امیر آدمی کے کمرے میں پہنچ گیا۔ شور سُن کر امیر آدمی بھی جاگ گیا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر تکیئے پر سے اپنا سر اُٹھایا۔ جیسے ہی اس نے سر اُٹھایا چور نے بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھ کر سونے کے سکوں والا ڈبا اُٹھا کر اس کی جگہ لکڑی کا تکیہ رکھ دیا۔ دوسری جانب جب ملازموں کو یہ احساس ہوا کہ یہ سب چور کا کیا کرایا ہے تو انہوں نے بھاگ کر باورچی خانے میں جاکر آگ روشن کرنے کی کوشش کی لیکن جیسے ہی پھونکنی میں پھونک ماری اس میں سے عجیب و غریب آواز نکلی۔ تمام لوگ ڈر کر اُلٹے پاؤں وہاں سے بھاگے۔۔۔ اس افراتفری میں چور کو بچ نکلنے کا موقع مل گیا اور وہ وہاں سے بھاگ گیا۔

اس طرح چور سونے کے سکوں سے بھرا ہوا ڈبا لے آیا اور اپنی باقی زندگی مزے سے گزارنے لگا۔



مچھیروں کی جنگ



قدیم زمانے میں صوبہ کاگا (اب ایشی کاوا) میں سات مچھیرے رہتے تھے۔ یہ ساتوں مچھیرے ایک ساتھ مچھلیاں پکڑنے جاتے تھے اور جب مچھلیوں کے شکار کے لئے جاتے تھے تو اپنے تیر کمان ساتھ لیکر جاتے تھے۔

ایک روز کا ذکر ہے۔ مچھیرے اپنے معمول کے مطابق ایک کشتی میں سوار ہوکر مچھلیاں پکڑنے کے لئے گئے۔ جب وہ گہرے سمندر میں مچھلیاں پکڑ رہے تھے تو اچانک آسمان پر سیاہ بادل چھاگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے انتہائی تیز و تند ہوائیں چلنے لگیں۔

"خوفناک طوفان آرہا ہے ــــ!"

ایک نے چیخ کر کہا۔

"ہمیں فوراً کنارے پر پہنچ جانا چاہیئے ــــ!"

دوسرے نے گھبرا کے اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا۔ انہوں نے فوری طور پر مچھلیاں پکڑنا بند کردیں اور کشتی کھیتے ہوئے جلدی جلدی کنارے کی جانب چل دیئے۔ وہ اپنی پوری طاقت سے کشتی کھے رہے تھے لیکن ہوا اسقدر تیز تھی کہ کشتی اُچھل اُچھل کر تند لہروں سے ٹکرا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ ان کی کشتی کنارے کی جانب جانے کی بجائے کھلے سمندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ انہوں نے خوفزدہ ہوکر کشتی کے کنارے مضبوطی سے پکڑ لئے تاکہ سمندر میں نہ جاگریں۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی حفاظت کے لئے مہاتما بودھ سے دُعائیں کرنے لگے۔

جب طوفان تھما تو مچھیروں کے حواس دُرست ہوئے مگر انہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ ان کی کشتی کتنی دیر لہروں میں بہتی رہی ہے اور اب وہ کہاں پہنچ گئے ہیں ــــ؟ سب حیران و پریشان ایک دُوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یکایک انہیں دُور افق میں ایک جزیرہ دکھائی دیا۔

"زمین آگئی ۔ زمین آگئی!"

وہ خوشی میں چیخنے لگے اور کشتی کا رُخ اسی طرف پھیر دیا۔ پیشتر اس کے کہ وہ کشتی کو جزیرے کی طرف کھینا شروع کرتے کشتی خود بخود اس جانب یُوں کھنچنے لگی جیسے مقناطیسی کشش اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ جزیرے کے کنارے پر پہنچ گئے۔

"اس جزیرے کا کیا نام ہے ۔ ؟ ہم نے کبھی اس کے بارے میں نہیں سُنا ۔ ؟!"

سب نے حیران ہو کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ اس جزیرے میں بے شمار درخت تھے جن پر پھل لگے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ سب خوش ہو گئے۔ لیکن ابھی پُوری طرح سستائے بھی نہ تھے کہ ایک خوبصورت نوجوان نمودار ہوا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"تم سب کو خوش آمدید ۔ میں تم لوگوں کی آمد کا منتظر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے ہی تم لوگوں کو اس جزیرے میں طلب کیا ہے ۔!"

مچھیروں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ نوجوان کیا کہہ رہا ہے۔ وہ بیچارے پریشان ہو کر ایک دُوسرے کو دیکھنے لگے۔ آخر ان میں سے ایک نے نوجوان کو بتایا کہ ہم مچھلیاں پکڑ رہے تھے اور سمندر میں طوفان آنے کی وجہ سے ہماری کشتی یہاں آگئی ہے۔ اس پر نوجوان کہنے لگا۔

"وہ طوفان میرا ہی لایا ہوا تھا!"

یہ بات سُن کر مچھیرے سوچنے لگے کہ یہ نوجوان کوئی عام آدمی معلوم نہیں ہوتا، یقیناً اس کے پاس کوئی غیبی طاقت ہے۔ اتنے میں نوجوان نے اس طرف دیکھا جدھر سے وہ آیا تھا اور بلند آواز میں پُکارا ۔ آواز دینے کی دیر تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے آدمی نمودار ہوئے۔ وہ ایک صندوق اُٹھائے ہوئے تھے جو انہوں نے لا کر وہاں رکھ دیا۔ مچھیروں نے وہ صندوق کھولا تو اس میں شاندار کھانے تھے جن کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ نوجوان نے انہیں کھانے کی دعوت دی۔ وہ تو پہلے ہی بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے چنانچہ انہوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا ۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو نوجوان ان کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"اب میں آپ لوگوں سے مدد کا طلبگار ہوں ۔ یہاں سے دور ایک جزیرہ ہے۔ وہاں کے بادشاہ نے مجھے کئی بار ہلاک کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے کہ وہ اس جزیرے پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ کل وہ پھر آئے گا۔ اور ہماری خطرناک جنگ ہو گی ۔ اسی لئے میں نے تم لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بُلایا ہے ۔!"

مچھیرے بڑی دلچسپی اور حیرانی سے نوجوان کی بات سُن رہے تھے اور دل سے اس کی مدد کرنے پر آمادہ تھے۔ ان میں سے ایک نے دریافت کیا۔

"کل اس بادشاہ کے ساتھ کتنے آدمی لڑنے کے لئے آئیں گے۔؟"

جواب میں نوجوان نے بتایا۔

"وہ تمہاری طرح آدمی نہیں ہیں۔ اور میں بھی آدمی نہیں ہوں۔ تم کل دیکھ لوگے کہ میں کون ہوں۔"

یہ بات سُن کر مچھیرے بڑے گھبرائے مگر کیا کرسکتے تھے۔؟ انہیں خاموش دیکھ کر نوجوان بولا۔

"کل جب وہ آئیں تو انہیں کنارے تک آنے دینا میں پہاڑی کی پُشت سے نکلوں گا۔ جب میں دُشمن بادشاہ سے جنگ کر رہا ہوں گا تو تمہیں اشارہ دوں گا۔ جیسے ہی میں اشارہ کروں تم لوگ اپنے تمام تیر اس پر برسا دینا۔ مگر ایک بات یاد رکھنا، دُشمن بہت طاقتور ہے اس لئے بڑی ہوشیاری سے یہ کام کرنا۔"

اتنی بات کہہ کر وہ لمحہ بھر کے لئے رُکا اور پھر کہنے لگا۔

"لڑائی دوپہر کے وقت ہوگی اور تم لوگ کنارے کے قریب والی بڑی چٹان کے ساتھ مورچہ لگا کر بیٹھنا۔"

اس نے یہ کہا اور وہاں سے غائب ہوگیا۔

دُوسرے دن مچھیرے بڑی چٹان کے ساتھ مورچہ لگا کر بیٹھ گئے۔ اسی دوران میں سیاہ بادلوں نے آسمان کو گھیر لیا اور طوفانی ہوائیں اس طرح چلنے لگیں کہ سمندر کی بپھری ہوئی لہریں اُچھل اُچھل کر کناروں سے ٹکرانے لگیں۔ اچانک انہیں دُور افق میں دو شہاب ثاقب چمکتے ہوئے دکھائی دیئے اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ چمکتے ہوئے شہاب ثاقب جزیرے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ کوئی چیز تیرتی ہوئی ان کی طرف آرہی تھی۔ انہوں نے دیکھا تو وہ ایک بہت بڑا ہزارپا تھا۔ یہ کوئی سو فٹ لمبا تھا اور وہ شہاب ثاقب اس کی شعلے اُگلتی ہوئی آنکھیں تھیں۔ اتنے میں مچھیروں نے پہاڑی کی پُشت سے گھاس میں سرسراہٹ سُنی اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی ناگن سمندر کے کنارے پر آگئی۔ پھر ناگن اور ہزارپا نے چند لمحے تک ایک دُوسرے کو گھورا اور اس کے بعد ان کی خوفناک جنگ شروع ہوگئی۔ وہ ایک دوسرے کے جسم کو بُری طرح کاٹ رہے تھے۔ اس طرح وہ چار گھنٹوں تک مسلسل لڑتے رہے۔ ہزارپا کے چونکہ پاؤں تھے اس لئے اسے برتری حاصل تھی۔ آخر کار اس نے ناگن کو زمین پر گرالیا۔ جیسے ہی ناگن نیچے گری اس نے مچھیروں کو مدد کے لئے اشارہ

گیا اور اس کے ساتھ ہی مچھیروں نے ہزار پا پر تیروں کی بارش کر دی۔ ہزار پا زخموں سے چور ہو گیا مگر اس نے ناگن کو چھوڑا نہیں۔ یہ دیکھ کر ساتوں مچھیرے لپکے اور انہوں نے اپنی تلواروں سے ہزار پا کے پاؤں کاٹ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس طرح دشمن بادشاہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اس وقت مچھیروں کے کیمونو ہزار پا کے خون میں تر ہو رہے تھے ۔ انہوں نے دیکھا تو ناگن وہاں سے غائب تھی۔ وہ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ اتنے میں ایک طرف سے نوجوان ظاہر ہوا۔ اس وقت وہ زخموں سے چور ہو رہا تھا اور نڈھال ہو کر لنگڑاتا ہوا ان کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے ساتوں مچھیروں کا شکریہ ادا کیا اور پھر مردہ ہزار پا کو جلا دیا۔ یہ سب کچھ ہو جانے کے بعد نوجوان نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اسی زرخیز جزیرے میں آلسو اور پھلوں سے لدے ہوئے درختوں سے فائدہ اٹھاؤ ۔ !"

مچھیرے بھی یہی چاہتے تھے مگر وہ کہنے لگے۔

"یہ بہت اچھی دعوت ہے مگر ہم اپنے خاندانوں کو یہاں کیسے لائیں ۔ ؟"

اس پر نوجوان مسکراتے ہوئے بولا۔

"یہ کوئی مشکل بات نہیں ۔ میں ابھی کشتیوں کو تمہارے صوبے میں پہنچا دیتا ہوں اور جب تم یہاں آنا چاہو تو کوماتا معبد میں جا کر دعا کرنا دیوتا تمہاری کشتی کو یہاں پہنچا دے گا۔ یہ معبد میرے بھائی سے منسوب ہے"

چنانچہ مچھیروں نے ایسا ہی کیا۔ وہ کشتی میں بیٹھ گئے اور نوجوان نے غیبی طاقت سے انہیں ان کے صوبے تک پہنچا دیا۔ انہوں نے اپنے خاندان والوں کو ساتھ لیا۔ اور بھی کئی لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔ اس کے بعد کوماتا معبد میں جا کر انہوں نے مدد طلب کی۔ پھر ایک رات سارے لوگ کشتیوں پر سوار ہو کر چل دیئے۔ ان کا کشتیوں پر بیٹھنا تھا کہ ایسی ہوا چلی جو انہیں بڑی تیزی سے اس جزیرے میں لے آئی۔

اب وہ سب اس نئے جزیرے میں آ کر رہنے لگے تھے اور انہوں نے اس کا نام "نیکوجیما" (بلی کا جزیرہ) رکھ دیا تھا جہاں وہ ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔

بیوقوف سابورو



یہ پُرانے وقتوں کی بات ہے۔ جاپان میں کسی جگہ گاؤں میں ایک کِسان رہتا تھا اس کِسان کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام سابورو تھا۔ بیچارے کِسان اور اس کی بیوی اس اُمید پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا بیٹا جلد بڑا ہو اور کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹائے مگر سابورو انتہائی بیوقوف تھا۔ اسے جو بھی کام کرنے کو کہا جاتا، اسے اُلٹا کرتا تھا اور ہر وقت کوئی نہ کوئی بیوقوفی کی ایسی بات کرتا تھا جس سے نہ صرف گھر والے بلکہ ہر شخص اسے بیوقوف سمجھنے لگا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے گاؤں میں لوگ اسے "بیوقوف سابورو" کے نام سے پکارنے لگے تھے۔

سابورو کے ذہن کی حالت یہ تھی کہ وہ ایک وقت میں ایک ہی بات یا کام یاد رکھ سکتا تھا اور جب وہ اس کام کو کرنے کی کوشش کرتا تو حد درجہ بیوقوفی کا ثبوت دیتا۔ اس کا باپ اور ماں، دونوں بیچارے اس کے بارے میں بہت پریشان تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ یہ سوچ کر پُر امید بھی تھے کہ ان کا بیٹا بڑا ہو کر یقیناً اپنی حماقتیں چھوڑ دے گا اسی خیال سے وہ ہر وقت اسے سمجھاتے بجھاتے رہتے اور ہر طرح سے اس کا خیال رکھتے۔

ایک روز کا ذکر ہے۔ اس کے باپ نے اسے بڑے پیار سے اپنے پاس بلایا اور کہا۔

"بیٹا سابورو! آج تم کھیت میں جاؤ اور کام کرو"

"ہاں، میں ابھی جاتا ہوں۔ بتلایئے مجھے وہاں کیا کام کرنا ہے۔؟"

سابورو جلدی سے بول پڑا، اس پر اس کا باپ کہنے لگا۔

"کھیت میں آلو کی فصل تیار ہو چکی ہے۔ تم جا کر کسّی سے مٹی کھود کر آلو باہر نکالو!"

اس کے ساتھ ہی باپ نے اسے تاکید کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھنا، جب تم آلو زمین سے نکال لو تو انہیں کُھلی جگہ پر احتیاط سے پھیلا دینا تاکہ وہ خشک ہو جائیں۔؟"

میں سمجھ گیا ہوں ۔۔ فکر نہ کریں جیسا آپ نے کہا ہے، میں ویسے ہی کروں گا۔"
ساآبورو نے کسّی اپنے کندھے پر رکھی اور کھیت کی طرف چل دیا۔ اور پھر کھیت میں جا کر اس نے زمین کھود کر آلو نکالنا شروع کر دیئے۔ ابھی اس نے چند ہی آلو نکالے تھے کہ اچانک اس کی کسّی زمین میں کسی سخت چیز سے ٹکرائی۔ اس نے اُس جگہ اور گہری کھُدائی کی تو وہاں ایک بڑا سا پُرانا برتن نظر آیا جسے اس نے باہر نکال لیا۔ جب اس نے جُھک کر برتن میں جھانکا تو وہ سونے کے سکّوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ ایک قیمتی خزانہ تھا جو گئے وقتوں میں کسی نے یہاں دبا دیا تھا۔

"باپ نے مجھے کہا تھا کہ پہلے کھُدائی کر کے چیزیں زمین سے باہر نکالنا اور پھر انہیں کھُلی جگہ پر پھیلا دینا تاکہ وہ دھوپ میں خشک ہو جائیں!"

ساآبورو نے اپنے آپ سے کہا اور اس کے بعد اس نے بڑی احتیاط سے سونے کے اُن سکّوں کو کھُلی جگہ پر اِدھر اُدھر پھیلانا شروع کر دیا۔ اس طرح جب وہ تمام سکّے پھیلا چکا تو اپنی کسّی لیے واپس گھر آ گیا۔ گھر آ کر وہ بڑے فخر سے اپنے باپ سے کہنے لگا۔

"ابا جان! میں نے آپ کے کہنے پر عمل کیا ہے۔"

"شاباش میرے بیٹے! اچھا بتاؤ تم نے کیا کیا ہے۔؟"

اس کے باپ نے خوش ہوتے ہوئے پُوچھا۔ اور جواب میں ساآبورو نے بتایا۔

"مجھے کھُدائی کرتے وقت ایک بڑا سا برتن مِلا تھا جو سونے کے سکّوں سے بھرا ہُوا تھا۔ میں نے برتن نکال کر اس میں بھرے ہوئے تمام سکّے سُوکھنے کیلئے وہاں پھیلا دیئے ہیں"۔

جونہی اس کے باپ اور ماں نے یہ بات سُنی وہ سر پیٹ کر رہ گئے اور دونوں بھاگے بھاگے کھیت میں گئے تاکہ سونے کے سکّے لائیں مگر اتنے میں وہاں سے کوئی تمام سکّے سمیٹ کر لے جا چکا تھا۔ وہاں صرف ایک پُرانا برتن پڑا تھا جسے وہ ساتھ لے آئے اور بیٹھ کر افسوس کرنے لگے۔

دوسرے روز ساآبورو کا باپ اس سے کہنے لگا۔

"آج اگر تمہیں کوئی چیز ملے تو اسے بڑی احتیاط سے کپڑے میں لپیٹ لینا اور گھر لے آنا۔ دیکھنا، ایسا کرنا بھولنا نہیں ۔۔۔؟"

"آپ فکر نہ کریں ۔۔۔ جیسے آپ نے کہا ہے، میں ویسے ہی کروں گا۔"

ساآبورو نے اپنے باپ کو جواب دیا اور کسّی کندھے پر رکھ کر کھیت کی جانب چل دیا۔
آج جب وہ کھیت میں جاکر کام کرنے لگا تو اسے وہاں ایک مری ہوئی بلی پڑی دکھائی دی۔
" باپ نے کہا تھا، جو چیز بھی ملے اسے بڑی احتیاط سے کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے آنا!"
" ساآبورو نے اپنے آپ سے کہا۔ پھر اس نے بڑی احتیاط سے مُردہ بلی کو کپڑے میں لپیٹا اور گھر لے آیا۔ گھر آکر وہ خوشی خوشی اپنے باپ سے کہنے لگا۔
" دیکھئے میں آپ کی ہدایت کے مطابق آج ملنے والی چیز کپڑے میں لپیٹ کر لے آیا ہوں ــــ!"
ادھر جونہی ماں باپ نے ایک بدبودار مردہ بلی دیکھی تو وہ دونوں سٹپٹا کر رہ گئے۔ بیچارے خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔
اگلے روز جب سابورو پھر کھیت میں جانے لگا تو اس کے باپ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔
" اگر آج تمہیں کل کی طرح کی کوئی چیز ملے تو اسے گھر لانے کی بجائے دریا میں پھینک دینا"
" آپ فکر نہ کریں۔ میں ایسے ہی کروں گا"
ساآبورو نے یہ کہا اور کسّی کندھے پر رکھ کر کھیت میں چلا گیا۔ آج جب وہ کھُدائی کر رہا تھا تو اسے زمین میں دبا ہوا درخت کا ایک تنا ملا۔ اس نے اسے بڑی مشکل سے زمین سے نکالا اور سوچا۔
" باپ نے کہا تھا کہ آج کوئی چیز ملے تو اسے دریا میں بہا دینا"
چنانچہ وہ تنے کو گھسیٹتا دھکیلتا ہوا دریا پر لے گیا اور اسے پانی میں بہا دیا۔ اتفاق سے اس وقت وہاں سے ان کا ایک پڑوسی گزر رہا تھا۔ اس نے دیکھا تو کہنے لگا۔
" اس طرح کام کی چیز کو دریا میں نہیں بہانا چاہیئے تھا۔ تمہیں چاہیئے یہ تھا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے گھر لے جاتے!"
" ٹھیک ہے ــ میں سمجھ گیا ہوں!"
ساآبورو نے یہ کہا اور گھر کی طرف چل دیا۔ راستے میں اسے ایک چینی مٹّی کی بنی ہوئی چائے

دانی اور چائے کا پیالہ ملا تو وہ سوچنے لگا۔

"کام کی چیز کو ٹکڑے کر کے گھر لے جانا چاہیئے۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے چائے دانی اور پیالے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے کپڑے میں باندھ لئے اور گھر لے آیا۔

"ماں! دیکھو، میں کیا چیز لایا ہوں۔۔؟"

ادھر جونہی اس کی ماں نے دیکھا اور وہ سر پیٹ کر بولی۔

"اوہ میرے خدایا۔۔۔ یہ چائے دانی اور پیالہ تو وہ ہے جو تمہارا باپ دوپہر کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اور تم نے دونوں توڑ دیئے ہیں۔"

اس سے اگلے دن سابورو کا باپ اس سے کہنے لگا۔

"آج تم گھر میں رہ کر گھر کی حفاظت کرو اور ہم دونوں کھیت میں کام کرنے جاتے ہیں۔"

اتنا کہہ کر اس کا باپ اور ماں کھیت میں چلے گئے اور سابورو گھر میں اکیلا بیٹھا سوچ رہا تھا۔

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جو کچھ لوگ مجھے کہتے ہیں میں وہی کچھ کرتا ہوں لیکن پھر بھی سب لوگ مجھے بیوقوف کہتے ہیں۔!!"



بندر اور چڑیا کا ناچ



کسی زمانے میں جاپان کے ایک گاؤں میں کوئی بوڑھا آدمی رہتا تھا۔ یہ بوڑھا ایک غریب لکڑہارا تھا جو اپنی بیوی کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔ ان دونوں کی نہ کوئی بیٹی تھی اور نہ بیٹا تھا۔ اولاد سے محروم ہونے کے باوجود دونوں بیچارے صبر شکر کر کے زندگی گزار رہے تھے۔ بوڑھا لکڑہارا روزانہ صبح ہی صبح جنگل میں چلا جاتا۔ دن بھر لکڑیاں کاٹتا اور شام کو انہیں بیچ کر چند پیسے کما لاتا جو ان کا پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہوتے۔

ایک روز کا ذکر ہے۔ بوڑھا لکڑہارا حسب معمول گھر سے نکل کر جنگل کی جانب چل دیا۔ جنگل میں سوکھی لکڑیوں کی تلاش میں وہ بہت اندر تک چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑوں میں پہنچ گیا اور وہاں جا کر اپنا راستہ بھول گیا۔ بڑا پریشان ہوا۔ اِدھر اُدھر راستہ تلاش کرتا ہوا وہ اور آگے بڑھنے لگا۔ اس کو کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور اسے جانا کدھر ہے۔ اسی طرح وہ بھٹکتا پھر رہا تھا کہ اچانک اس کے کانوں میں موسیقی کی آواز پڑی جو کچھ فاصلے سے آ رہی تھی۔ وہ کچھ اور آگے بڑھا تو اسے کھانوں کی خوشبو آئی۔ بھوک تو لگ ہی رہی تھی، کھانوں کی خوشبو سے اس کا دل مچل گیا۔

حقیقت یہ تھی کہ اس وقت بوڑھا لکڑہارا یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ راستہ بھٹکا ہوا ہے، وہ جلدی سے ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگا۔ اس نے دیکھا تو ایک جگہ بندروں کا ہجوم تھا۔ وہ سب کھا پی رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ خوشی میں گا بھی رہے تھے۔ اس وقت تمام بندر ایک ایسی شراب بھی پی رہے تھے جو انہوں نے چاولوں سے تیار

کی بھی۔ کھانے اور شراب کی خوشبو بوڑھے کو آ رہی تھی اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جس قدر جلد ہو وہ بھی کھانا کھائے اور چاولوں کی شراب پیئے۔ یہی سوچ سوچ کر وہ اپنے لبوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

بندر گانے کے ساتھ ساتھ اس خوبصورتی سے ناچ رہے تھے کہ بوڑھے کو دیکھ کر بڑا تعجب ہو رہا تھا۔ اتنے میں ایک بندر آگے بڑھا، اس نے کدو کی بنی ہوئی تونبی جیسی ایک بوتل میں شراب بھری اور بولا۔

"اب مجھے اپنے گھر چلنا چاہیئے۔ بہت وقت ہو چکا ہے۔"

دوسرے بندروں نے اسے خدا حافظ کہا اور وہ اپنے گھر کی جانب چل دیا۔ بوڑھے نے جب یہ دیکھا تو اس نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ مجھے اس بندر کا پیچھا کرنا چاہیئے، ہو سکتا ہے اس طرح میں شراب حاصل کر لوں چنانچہ وہ چھپتا چھپاتا اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

ابھی بندر زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اسے شراب سے بھری ہوئی تونبی بہت بھاری محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ وہ ایک جگہ کھڑا ہو گیا اور اس نے ایک جگ میں تونبی میں سے تھوڑی سی شراب بھر لی اور تونبی کو ایک درخت کی کھوہ میں چھپا دیا۔ اس کے بعد اس نے جگ اٹھا لیا، جو وہ آسانی سے اٹھا سکتا تھا اور اپنے گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

دوسری طرف بوڑھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب بندر وہاں سے چلا گیا تو وہ خوش ہوتے ہوئے اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"اگر میں تونبی میں سے تھوڑی سی یہ شاندار شراب حاصل کر لوں تو بندر کو یقیناً اس کا پتہ بھی نہیں چل سکے گا۔"

وہ بھاگا بھاگا اس درخت کے پاس گیا اور اس نے بندر کی چھپائی ہوئی تونبی نکال کر اس میں سے کچھ شراب اپنے جگ میں بھر لی۔ پھر وہ اسے سونگھتے ہوئے اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"جس طرح اس کی خوشبو شاندار ہے، اسی طرح اگر مزیدار بھی ہوئی تو پینے میں لطف

آجائے گا۔ میں اسے اپنی بیوی کے لئے لے چلتا ہوں، وہ اسے پی کر بہت خوش ہوگی۔اب مجھے جلدی سے اپنا راستہ تلاش کرنا چاہیئے تاکہ میں جلد گھر پہنچ جاؤں۔"

اِدھر تو بوڑھے کے ساتھ یہ ہوا اور دُوسری طرف اس کی بیوی کے ساتھ بھی ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ وہ گاؤں سے باہر ایک درخت کے نیچے بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی۔ کپڑے دھوتے دھوتے اس نے دیکھا کہ ایک جگہ بے شمار چڑیاں جمع تھیں جیسے وہ کوئی تقریب منا رہی ہوں۔ یہ چڑیاں بھی ناچتی ہوئی کوئی شاندار مشروب پی رہی تھیں جس کی خوشبو اس قدر تیز اور دل لبھانے والی تھی کہ بڑھیا کا دل بے اختیار چاہا، وہ بھی یہ پیئے۔ وہ کپڑے دھونا بھول گئی اور چڑیوں کے جانے کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب چڑیوں نے ناچنا گانا بند کر دیا تو بڑھیا نے جلدی سے آگے بڑھ کر کدو کی بنی ہوئی تونبی جیسی بوتل پکڑ کر اپنے کپڑوں میں چھپالی اور اپنے آپ سے کہنے لگی۔

میں یہ اپنے شوہر کے لئے لے چلتی ہوں۔جس طرح اس کی خوشبو شاندار ہے، اگر اسی طرح اس کا ذائقہ بھی اچھا ہوا تو بڑا مزا آئے گا۔"

اس نے جلدی جلدی اپنے کپڑے اُٹھائے اور تیز تیز قدموں سے گھر کی جانب چل دی اور تھوڑی دیر میں اپنے گھر پہنچ گئی۔ دوسری جانب اس کے شوہر کو بھی جنگل میں اپنا راستہ مل گیا تھا چنانچہ جیسے ہی وہ گھر پہنچی، اس کے ساتھ ہی اس کا شوہر بھی آ گیا۔

"میرے پاس تمہارے لئے ایک تحفہ ہے۔"

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ایک زبان ہو کر بول پڑے۔ اس کے بعد انہوں نے باری باری اپنی کہانی سُنائی۔ دونوں جو بوتلیں لائے تھے وہ ایک دُوسرے کو دیں اور بیٹھ کر شراب پینے لگے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ دونوں کا تحفہ بڑا مزیدار تھا لیکن چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ دونوں ناچنے اور گانے لگے۔ بڑھیا بندروں کی طرح ہاتھ نچاتے ہوئے اِدھر اُدھر اُچھلنے کودنے لگی اور بوڑھا چڑیوں کی مانند چوں چوں کرتے ہوئے ہاتھ ہلانے لگا۔ یوں وہ دونوں ناچنے اور شور کرنے لگے۔ انہوں نے اس قدر

شور و غوغا کیا کہ ان کے قریب ہی رہنے والا وہ شخص جوان سے لکڑیاں خریدا کرتا تھا شور سن کر بھاگا بھاگا آیا۔ اس نے دیکھا کہ بڑھیا بندروں کی طرح اچھل اچھل کر ناچ رہی تھی اور بوڑھا، چڑیوں کی مانند آہستہ آہستہ رقص کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ انہیں روکتے ہوئے بولا۔

"نہیں نہیں۔ ایسے نہیں — عورت کو بڑی نفاست سے چڑیوں کی طرح رقص کرنا چاہیئے اور مرد کو بندر کی مانند کھُل کر ناچنا چاہیئے۔"

پھر دونوں بڑھیا اور بوڑھے نے اسے اپنی اپنی کہانی سُنائی تو وہ کہنے لگا۔

"تم لوگوں نے غلط شراب پی ہے۔ دونوں اپنی اپنی بوتل تبدیل کر لو!"

چنانچہ دونوں نے بوتلیں تبدیل کرلیں — اور اس کے بعد بوڑھا بندروں کی طرح اُچھل اُچھل کر ناچنے لگا اور بڑھیا چڑیوں کی مانند بڑی نفاست اور آہستگی سے رقص کرنے لگی۔

کہتے ہیں، اس دن کے بعد سے آج تک جب بھی کوئی مرد ناچتا ہے تو وہ بڑی تیزی سے اُچھل کُود کرتا ہے مگر جب کوئی عورت رقص کرتی ہے تو وہ بڑی نفاست سے پرندوں کی طرح حرکت کرتی ہے۔

شہزادی کی قربانی



یہ اس قدیم زمانے کا ذکر ہے جب گو کاسے دو چشموں سے بنا ہوا تھا۔ یہ دو چشمے الونے محل کے شمال کی جانب سے آتے تھے اور پہاڑ آتا گو کے گرد گھوم کر سمندر میں جا گرتے تھے۔ جہاں سے یہ چشمے گو کاسے کو کاٹتے تھے، اس جگہ کو لوگ "سو وا۔ نو۔ واکے گوچی" کے نام سے پکارتے تھے۔

گو کاسے کے حکمران نے یہ ارادہ کیا کہ سو وا۔ نو۔ واکے گوچی کے مقام پر چشمے پر ایک بند باندھا جائے۔ اس بند کے دو مقاصد تھے۔ ایک تو یہ کہ محل سے فوجی بہادروں کے گھروں تک کا فاصلہ مختصر ہو جائے اور دُوسرا یہ کہ بنجر زمین کو زیرِ کاشت لا کر چاولوں کی فصل کے لئے مزید کھیت تیار کئے جائیں۔ چنانچہ حکمران نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ بند کے منصوبے پر فوری طور پر عمل شروع کر دیا جائے۔

ادھر جیسے ہی گاؤں کے لوگوں کو یہ حکم ملا، وہ سب کے سب جمع ہو گئے اور چشمے کے پانی کو روکنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ انہوں نے آپس میں مشورے کئے اور پھر پانی کے بہاؤ کو روکنے کی کوششوں میں لگ گئے۔ بانسوں کی بہت سی ٹوکریاں بنائی گئیں اور ان میں پتھر بھر دیئے گئے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ناڑ کی بوریاں بنا کر انہیں مٹی سے بھرا گیا اور پھر یہ بوریاں اور ٹوکریاں پانی میں رکھنا شروع کر دیں تاکہ پانی کا تیز بہاؤ روکا جا سکے۔

وہ سب مل کر دن رات اس کام میں مصروف رہے مگر انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی جیسے ہی وہ پتھروں سے بھری ٹوکریاں اور مٹی سے پُر بوریاں تلے اوپر رکھ کر تھوڑا سا بند باندھنے میں کامیاب ہونے لگتے، اس کے ساتھ ہی پانی کا کوئی شدید ریلا آتا اور تمام بوریوں اور ٹوکریوں کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا۔ اس طرح بند تکمیل سے پہلے ہی ٹوٹ جاتا۔

جب حکمران نے یہ دیکھا کہ بند نہیں بندھ رہا تو وہ لوگوں پر ناراض ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم لوگ اتنے دن سے کام میں لگے ہوئے ہو مگر ابھی تک بند نہیں باندھا جا سکا آخر یہ کب مکمل ہوگا۔ ؟"

اس پر لوگوں نے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

"ازراہِ کرم آپ ہمیں دس روز کی اور مہلت دیدیں۔ ہم اس عرصہ میں ہر صورت میں بند مکمل کر لیں گے۔ !"

"تمہیں دس دن کی اور مہلت دی جاتی ہے لیکن یاد رکھو، اگر اس عرصہ میں بند مکمل نہ ہوا تو تم سب کو سزا دی جائے گی"

حکمران تو یہ کہہ کر چلا گیا مگر گاؤں کے لوگ سب مل کر سوچنے لگے کہ۔

"اب کیا کرنا چاہیئے۔۔؟"

یہ بات ہر شخص جانتا تھا کہ دس روز کے اندر اندر بند کا مکمل ہونا ناممکن بات تھی۔ وہ سب پریشان ہوکر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ آخر وہ گاؤں کے چودھری سے پوچھنے لگے۔

"ہماری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں۔ تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ۔۔؟"

گاؤں کے چودھری نے کچھ دیر کے لئے سوچا اور پھر لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ پانی کا دیوتا ہماری مدد کرے۔ اسی صورت میں بند باندھا جا سکتا ہے۔"

اتنی بات کہہ کر وہ لمحہ بھر کے لیے رُکا اور پھر کہنے لگا۔

"اگر کوئی آدمی جان کی قربانی دے اور پانی میں ڈوب جائے تو اس صورت میں پانی کا دیوتا چشمے کا بہاؤ روک دے گا اور ہم بند تعمیر کرسکیں گے۔" سب لوگوں نے اس سے اتفاق کیا اور بولے۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ اب یہی ایک راستہ ہے۔ پانی کا دیوتا نوجوان کنواری لڑکیوں کو پسند کرتا ہے۔ اسلئے کسی کنواری لڑکی کو جان کی قربانی دینا چاہیئے تاکہ ہم سب حکمران کی سزا سے بچ جائیں۔"

یہ بات تو سب نے مان لی تھی لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ کس کی بیٹی قربان ہو۔۔؟ بہت سے لوگوں کی بیٹیاں تھیں مگر ان میں سے کوئی بھی اپنی بیٹی کو قربان کرنے پر تیار نہ تھا۔ جسے کہا جاتا، وہ آگے سے جواب دیتا۔

"تم اپنی بیٹی کی قربانی کیوں نہیں دے دیتے۔۔!"

جب ان میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو گاؤں کا چودھری کہنے لگا۔

"چلو۔ لاٹری سے فیصلہ کرتے ہیں۔۔ جس کا نام آئے وہ قربانی دے!"

اس بات پر سب نے اتفاق کیا چنانچہ گاؤں کی تمام لڑکیوں سے کہا گیا کہ وہ کل صبح گاؤں کے سرپرست دیوتا کے معبد میں جمع ہو جائیں۔۔ اور پھر ہوا بھی یہی۔۔ دوسری صبح گاؤں کی ساری لڑکیاں معبد میں جمع ہوگئیں اور ان سب کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تاکہ وہ دیکھ نہ سکیں معبد کے سامنے لکڑی کا ایک سجا ہوا صندوق رکھ دیا گیا جس میں پرچیاں بھری ہوئی تھیں۔

آنکھوں پر پٹی باندھے ہوئے باری باری ہر لڑکی آتی اور اس صندوق میں ہاتھ ڈال کر ایک پرچی نکالتی۔ اس طرح بہت سی لڑکیوں نے پرچی نکالی مگر ابھی تک کسی کا نام نہیں نکلا تھا۔ اور اب گاؤں کے چودھری کی بیٹی کی باری تھی۔۔ وہ بھی آنکھوں پر پٹی باندھے ہوئے آہستہ آہستہ صندوق کے پاس آئی اور جیسے ہی اس نے پرچی نکالی اس کے ارد گرد کھڑے لوگوں کے چہرے پیلے پڑ گئے۔ چودھری کی بیٹی کا نام نکل آیا تھا۔ یہ دیکھتے ہی چودھری کا رنگ فق ہوگیا تھا مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔۔؟ یہ تجویز تو خود اسی نے پیش کی تھی۔ اس وقت ہر شخص چودھری سے اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے افسوس کررہا تھا لیکن اس فیصلے کو کوئی نہ بدل سکتا تھا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اسے پانی میں دیوتا کیلئے قربان کردیا جائے۔ لڑکی کے خاندان والے آہ و بکا کرنے لگے تھے اور خود لڑکی بھی نیم مردہ سی ہوگئی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے یہ بات نزدیک و دُور میں پھیل گئی کہ گاؤں کے چودھری کی بیٹی کا نام قربانی کیلئے نکلا ہے۔ ہوتے ہوتے یہ خبر محلوں تک پہنچ گئی جہاں بادشاہ تسوچی موچی کی بیٹی نے بھی یہ سن لیا تھا۔ شہزادی بڑی رحم دل تھی۔ وہ بڑی خوبصورت تھی لیکن بدقسمتی سے بچپن ہی سے فالج کی وجہ سے معذور ہو چکی تھی۔ وہ اپنی معذوری سے تنگ آ چکی تھی۔ بیچاری نہ کہیں آ جا سکتی تھی اور صرف محل میں پڑی رہتی تھی۔ جیسے ہی اس نے یہ سُنا تو اُسے چودھری کی لڑکی پر بڑا رحم آیا۔ وہ اپنے دل میں سوچنے لگی۔

"کیوں نہ اس لڑکی کی جگہ میں قربانی دیدوں ۔۔۔ ؟"

اس نے اپنے باپ سے کہا۔

"از راہِ کرم مجھے اجازت دیں کہ اُس لڑکی کی جگہ میں گوکاسے جا کر جان کی قربانی دوں ؟"

جُونہی بادشاہ نے سُنا وہ کانپ کر رہ گیا۔ جلدی سے کہنے لگا۔

"بیٹی! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ؟ گو تم معذور ہو مگر میری بیٹی ہو ۔۔۔ میں تمہیں کیسے اجازت دے سکتا ہوں ۔۔۔ ؟"

مگر شہزادی نے اصرار کیا۔ وہ کہنے لگی۔

"میں فالج سے معذور ہوں۔ اس طرح سسک سسک کر جینے میں میرے لئے کیا لطف ہے۔ ؟ میں نے سُنا ہے کہ وہ لڑکی اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ اگر آپ مجھے قربان ہونے کی اجازت دیدیں تو نہ صرف لڑکی کے ماں باپ بلکہ پُورا گاؤں دل سے آپ کا شکر گذار ہو گا۔ اس طرح میں بھی عذاب سے چھوٹ جاؤں گی، دیوتا بھی خوش ہو جائے گا اور چشمے پر بند بھی بندھ جائے گا۔"

پہلے تو اس کا باپ اور ماں اجازت دینے سے انکار کرتے رہے مگر جب شہزادی نے سنجیدگی سے اصرار کیا تو وہ مجبوراً راضی ہو گئے۔

پھر جب قربانی کا دن آیا تو شہزادی کو خوبصورت لباس پہنا کر گوکاسے میں چشمے کے کنارے لایا گیا۔ شہزادی نے ایک نظر اپنے گرد کھڑے لوگوں کو دیکھا، پھر اپنے ماں باپ کو الوداع کہا اور چشمے کے تیز بہاؤ میں کود گئی ۔۔ جیسے ہی وہ ڈوبی اس کے ساتھ ہی بہاؤ کی تیزی ختم ہو گئی اور پانی آہستہ بہنے لگا۔ جونہی کنارے پر کھڑے لوگوں نے یہ دیکھا، وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر جلدی جلدی بند باندھنے میں لگ گئے۔ اور پھر تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے یہ مشکل کام مکمل کر لیا۔

آج بھی "سووا۔ نو۔ واکے گوچی" کے مقام پر اس نیک دل شہزادی کی یادگار کے طور پر شیشا عبادت گاہ موجود ہے۔ ہر سال جب ماکرل قسم کی مچھلیاں پکڑنے کا موسم آتا ہے تو لوگ اپنی پہلی پکڑی ہوئی مچھلی اس عبادت گاہ کی نذر کرتے ہیں ۔۔ کہا جاتا ہے کہ قربانی دینے والی اس شہزادی کو ماکریل مچھلیاں بہت پسند تھیں۔

پروں کا آسمانی لباس



جاپان کے صوبہ ہوکی کے توہا کوگن کے علاقہ "ہانامی۔مورا" میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام ادبے شی ہے۔ اس پہاڑ پر ایک بہت بڑا پتھر ہے جس کو پروں کے لباس کا پتھر کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آج سے صدیوں پہلے ایک خوبصورت آسمانی دوشیزہ آسمان سے نیچے اُتری تھی اور اس پتھر پر بیٹھی تھی۔ اس کا لباس پروں سے بنا ہوا تھا اور اس نے ان پروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے اس پتھر پر رقص کیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک رقص کرتی رہی۔ یہاں تک کہ تھک گئی۔ اس نے اپنا پروں والا لباس اُتارا اور اس پتھر پر رکھ دیا اور خود لیٹ کر گہری نیند سو گئی۔

اتفاق کی بات کہ ایک کسان جو پہاڑ کے دامن میں رہتا تھا، وہ اس وقت پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا ہوا تھا۔ اس کی نظر اس لباس پر پڑ گئی۔ اس نے دیکھا کہ پتھر پر ایک عجیب و غریب اور دلکش لباس پڑا ہوا تھا۔ وہ اپنے دل میں سوچنے لگا۔

"کسقدر شاندار لباس ہے یہ۔۔۔!"

پھر وہ اپنے آپ سے کہنے لگا:

"تعجب ہے۔۔ مجھے تو یہ آسمانی عورت کا پروں والا لباس معلوم ہوتا ہے۔"

یہ سوچ کر وہ آگے بڑھا اور لباس اُٹھا کر اپنے گھر لے گیا۔

ادھر آسمانی دوشیزہ جو گہری نیند سوئی ہوئی تھی، کچھ عرصہ کے بعد بیدار ہوئی تو اسے اپنا پروں کا لباس کہیں نظر نہ آیا۔ اس نے حیران ہو کر اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ اس کا خیال تھا کہ شاید ہوا سے اُڑ گیا ہو۔ یہی سوچ کر اس نے چاروں طرف گھوم کر لباس تلاش کیا۔ لیکن اسے لباس نہ مل سکا۔ اب تو واقعی وہ بہت پریشان ہوئی۔ وہ اس لباس کو پہنے بغیر واپس آسمان پر نہیں جا سکتی تھی۔ وہ غمزدہ ہو کر رونے لگی۔ اتنے میں اسے کسی جانب سے ایک آواز سنائی دی اس نے غور سے سنا تو کوئی کہہ رہا تھا۔

"اب تمہیں کچھ عرصہ کیلئے انسانوں کی دنیا میں رہنا ہوگا۔"

آواز کہہ رہی تھی۔

"چند برس بعد تمہیں تمہارا بچہ اس انگور کی بیل کے نیچے بچائے گا جسے سفید پھول لگے ہوں گے۔"

آواز اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی اور آسمانی دوشیزہ سوچ میں پڑ گئی۔ وہ اپنے آپ سے کہنے لگی۔
"اب میں کیا کر سکتی ہوں ۔۔۔؟ یہ سب کچھ میری غفلت سے ہوا ہے ۔۔۔ نہ میں اس طرح گہری نیند سوتی اور نہ میرا لباس غائب ہوتا۔"

وہ کچھ دیر وہاں اداس بیٹھی سوچتی رہی۔ پھر اس نے اپنی آسمانی زندگی کو ہمیشہ کے لئے فراموش کر دیا اور زمین پر رہنے والی ایک عام سی لڑکی بن گئی۔ اس کے پاس اب اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا ۔۔۔؟ یکایک اس نے شدید سردی محسوس کی۔ اس کا پَروں کا لباس تو غائب ہو چکا تھا اور اب اس کے جسم پر بڑے مہین کپڑے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سردی سے ٹھٹھرنے لگی۔ پھر اسے بھوک بھی شدت سے لگ رہی تھی۔ وہ پریشان ہو کر اپنے آپ سے کہنے لگی۔

"اب میں کیا کروں ۔۔۔؟ کہاں جاؤں ۔۔۔؟"
آخر وہ مجبور ہو کر اُٹھی اور پہاڑ سے نیچے اُترنے لگی۔ جب وہ پہاڑ سے اُتر کر نیچے آئی تو وہاں ایک گاؤں تھا۔ وہ گاؤں میں ایک کسان کے گھر گئی اور دروازہ کھٹکھٹایا تاکہ کسی سے کچھ کھانے کیلئے طلب کرے۔ تھوڑی دیر بعد گھر کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر نکلا۔
"ازراہِ کرم مجھے کچھ کھانے کو دیجئے۔ میں ایک بے سہارا لڑکی ہوں ۔۔۔!"
اس نے التجا کرتے ہوئے کہا۔ مگر کسان اسے دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اور اپنے دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔

"کس قدر خوبصورت لڑکی ہے ۔۔۔ یہ کون ہے ۔۔۔؟ یقیناً یہ بہت اچھی لڑکی ہے۔"
اس نے بڑی نرمی اور تہذیب سے اسے گھر کے اندر آنے کی دعوت دی۔ جب وہ اندر آگئی تو اسے کھانے کو دیا اور پہننے کے لئے کپڑے بھی پیش کئے۔ اس طرح لڑکی کو سہارا مل گیا اور وہ اس کسان کے گھر میں رہنے لگی۔

وہ کچھ عرصہ وہاں رہتی رہی اور پھر ایک روز کسان نے اس سے کہا۔
"کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم دونوں شادی کر لیں ۔۔۔؟"
بھلا لڑکی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔؟ وہ تو خوش تھی کہ اسے مستقبل کا سہارا مل رہا تھا۔
چنانچہ اس کی کسان سے شادی ہو گئی اور وہ ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔
اس شادی کو کئی برس ہو چکے تھے۔ اس دوران میں اس کے ہاں دو نہایت پیاری سی بچیاں پیدا ہو چکی تھیں جو اب خاصی بڑی ہو گئی تھیں۔ یہ دونوں لڑکیاں بڑی فرماں بردار، ہوشیار اور ذہین تھیں اور انہیں موسیقی سے بہت دلچسپی تھی۔ ان کی یہ دلچسپی دیکھ کر باپ نے ان کے لئے ایک استاد مقرر کر دیا۔ اور لڑکیاں بہت جلد موسیقی میں تاک ہو گئیں۔ وہ خاص طور پر ہاتھ سے بجانے والے ڈرم اور بانسری

بجانے میں بہت ماہر تھیں۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ کسان اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ پکنک منانے کے لئے کوراپوشی کے علاقہ کامی سا کا میں گئے جب وہ پکنک پر جانے لگے تھے تو کسان نے کہا۔

"آج میں تم لوگوں کو ایک نہایت خوبصورت لباس دکھاؤں گا جو میں نے ایک طویل عرصے سنبھال کے رکھا ہوا ہے۔"

دونوں بیٹیوں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"پیارے ابا۔ ہمیں وہ خوبصورت لباس دکھاؤ۔ ؟"

مگر کسان کہنے لگا۔

"ابھی نہیں۔ جب ہم پکنک پر پہنچیں گے تو پھر دیکھنا۔"

لہٰذا جب وہ کامی ساکا پہنچے اور ایک اچھی جگہ دیکھ کر ہری گھاس پر بیٹھ گئے تو کسان نے پَردں کا لباس نکالا اور کہا۔

"آج شاندار موقع ہے یہ لباس پہننے کا"

اتنا کہہ کر اس نے وہ لباس اپنی بڑی بیٹی کو پہنا دیا۔ یہ وہی پَردں کا لباس تھا جو آسمانی دوشیزہ کا کھو گیا تھا۔ عورت نے اسے دیکھا اور خاموش ہو رہی۔ وہ اپنے دل میں سوچ رہی تھی کہ:۔

"میں اب تک اس لباس سے بے خبر رہی۔ اور یہ میرے گھر ہی میں موجود تھا۔!"

جب وہ سب بیٹھ گئے تو بڑی لڑکی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بولی۔

"آج چونکہ میں نے یہ شاندار لباس پہنا ہے اس لئے میں رقص کروں گی۔"

اس کی چھوٹی بہن بانسری بجانے لگی اور وہ اس کی دھن پر رقص کرنے لگی۔ اس کی ماں تھوڑی دیر تک بیٹی کے رقص سے لطف اندوز ہوتی رہی اور پھر اس سے کہنے لگی۔

"تمہارے بازوؤں کی حرکات درست نہیں ہیں۔ لاؤ میں تمہیں رقص کر کے بتاؤں کہ بازوؤں کو کیسے حرکت دی جاتی ہے۔"



بچّہ کھانے والی لڑکی



یہ پُرانے زمانے کا ذکر ہے۔ جاپان میں کسی جگہ تین نوجوان رہتے تھے۔ انہوں نے آپس میں طے کیا کہ کسی دوسرے شہر چلیں اور وہاں جاکر چار پیسے کمائیں۔ چنانچہ وہ اس ارادے سے سفر پر روانہ ہو گئے۔

تینوں دوست چلتے رہے۔ راستے میں کئی گاؤں آئے اور گزر گئے، کئی پہاڑ آئے جو انہوں نے عبور کر لئے۔ اس طرح چلتے چلاتے وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ایک بہت بڑے زمیندار کا گھر تھا۔ انہوں نے وہاں دیکھا تو مکان کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ زمیندار کو ایک ایسے نوجوان کی تلاش ہے جو سارے مُلک میں سب سے زیادہ قابل اور ذہین ہو تاکہ زمیندار اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر سکے۔ ان تینوں نے جب پڑھا تو خوش ہو کر ایک دُوسرے سے کہنے لگے۔

"یہ تو ہمارے لئے خوشخبری ہے۔ چلو، اپنی قسمت آزماتے ہیں۔"

اور وہ تینوں مکان کے بڑے دروازے میں سے اندر چلے گئے۔ زمیندار نے ان کو بٹھایا، باتیں کیں اور اندازہ کیا کہ تینوں نوجوان قابل ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کمتر نظر نہ آتا تھا اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ ان کا امتحان لینا چاہیئے۔ اسی طرح کسی ایک کا انتخاب کیا جا سکے گا۔ یہ سوچ کر وہ ان سے کہنے لگا۔

"میرے گھر کے مشرقی اور مغربی جانب اور سامنے کی طرف، ایک ایک ہزار کھیت ہیں جن میں چاول کی فصل پکی ہوئی ہے۔ تم میں سے ہر ایک، ایک کھیت کی فصل کاٹے تاکہ میں اس بات کا اندازہ کر سکوں کہ میری بیٹی کے لئے موزوں کون ہے۔؟"

تینوں نوجوانوں میں سے ہر ایک کی تمنّا یہی تھی کہ وہ زمیندار کا داماد بن جائے اس لئے وہ فوراً تیار ہو گئے۔ انہوں نے ایک بہت بڑے برتن میں اتنے چاول پکائے جو تیس آدمیوں کی خوراک کے لئے کافی تھے اور وہ سب چاول تینوں کھا گئے۔ اس کے بعد ایک نوجوان مغرب کی جانب،

ایک مشرق کی جانب اور ایک سامنے کی طرف واقع کھیت کی فصل کاٹنے میں مصروف ہوگیا۔ اس قسم کے کھیت کی فصل کاٹنے میں ایک عام آدمی کو تقریباً دس روز لگتے تھے لیکن نوجوانوں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں دوشاخہ بیلچے لئے ہوئے تھے، انہوں نے اسقدر تیزی سے یہ کام کیا کہ ایک ہی دن میں تینوں نے ایک ایک کھیت کی کٹائی مکمل کر دی ——— اور پھر کام ختم کرنے کے بعد وہ ایک ساتھ زمیندار کے پاس پہنچکر کہنے لگے۔

"ہم نے اپنے اپنے کھیت کی کٹائی مکمل کر دی ہے۔!"

اس پر زمیندار تعجب کرتے ہوئے بولا۔

میں تم تینوں کے کام سے حیران ہوا ہوں۔ تم سب قابلیت میں ایک جیسے ہو۔"

پھر وہ ان سے کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے، تم کچھ دن یہاں رہ کر کام کرو تاکہ میں کوئی فیصلہ کر سکوں!"

تینوں نوجوانوں نے زمیندار کی یہ پیشکش قبول کر لی اور وہ وہاں ملازم ہو کر رہنے لگے۔

انہیں وہاں رہتے ہوئے چند روز گزر گئے تھے لیکن وہ اس بات سے سخت مایوس تھے کہ ابھی تک انہوں نے زمیندار کی لڑکی کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ صرف دو ایک بار پشت کی جانب سے اس پر نظریں پڑی تھیں۔ اسی وجہ سے ان میں سے ہر ایک لڑکی کو دیکھنے کے لئے بے قرار ہو رہا تھا۔ چنانچہ ایک رات ان میں سے دو نوجوان تیسرے سے نظریں بچا کر دبے پاؤں اُٹھے اور چھپتے چھپاتے زمیندار کے گھر کے اندرونی حصے میں چلے گئے۔ وہاں جاکر انہوں نے لڑکی کے کمرے میں جھانکا۔ جیسے ہی انہوں نے جھانک کر دیکھا، وہ دونوں حواس باختہ ہو گئے۔ کمرے کے اندر لڑکی سفید لباس پہنے کھڑی تھی اور اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے کمرے کے کونے میں فرش کا تختہ اٹھایا اور پھر تہہ خانے میں سے ایک تابوت سا باہر نکالا۔

اُدھر تو لڑکی یہ سب کچھ کر رہی تھی اور ادھر یہ دونوں حیران و پریشان اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک طرف تو وہ خوفزدہ ہو رہے تھے اور دوسری جانب اُن کا تجسس بڑھ رہا تھا کہ دیکھیں لڑکی کیا کرتی ہے۔؟ وہ دونوں سانس روکے کھڑے لڑکی کو دیکھتے رہے۔ اس وقت لڑکی کے چہرے پر ایک زہریلی ہنسی تھی۔ اس نے تابوت میں سے ایک بچے کی لاش نکالی اور چاقو سے اس کے بازو کاٹ دیئے۔ پھر وہ ایک بازو لیکر اس طرح کھانے لگی جیسے کوئی بڑی لذیذ چیز کھا رہی ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ

نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

"کیا تم بھی کھاؤ گے ۔۔۔؟"

اتنا کہہ کر اس نے بچے کا دُوسرا بازو جس میں سے خون ٹپک رہا تھا، ان کی طرف پھینک دیا۔ اس وقت نوجوان اس قدر حیران تھے کہ وہ کچھ بولنے کی بجائے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ یہ عجیب وغریب منظر دیکھنے کے بعد اس لڑکی سے شادی کرنا تو دُور کی بات تھی، اب تو وہاں ایک لمحہ ٹھہرنا بھی ان کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ چپکے سے دونوں پلٹ آئے اور پھر اسی رات اپنا سامان باندھ کر وہاں سے روانہ ہوگئے۔

تیسرا نوجوان حیران تھا کہ اس کے ساتھی کیوں جا رہے ہیں۔ وہ اس وقت چولہے میں آگ جلا رہا تھا جب اس کے دونوں ساتھیوں نے جاتے جاتے اسے ساری بات بتائی تو اسے ان کی اس بات پر یقین نہ آیا۔ وہ کہنے لگا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔۔۔؟"

"مجھے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہیئے۔۔۔!"

یہ سوچ کر وہ دبے پاؤں لڑکی کے کمرے کے پاس گیا اور اس نے جھانک کر اندر دیکھا۔ ایک لمحہ کیلئے وہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اس وقت کمرے میں ایک دیونی سفید کپڑے پہنے ہوئے کھڑی تھی۔ اس کے بال کھُلے ہوئے تھے اور وہ بچے کا سر کھا رہی تھی جس میں سے لہو ٹپک رہا تھا۔ پہلی نظر میں تو وہ خوفزدہ ہوگیا لیکن جب اس نے غور سے جائزہ لیا تو دیکھا، وہ دیونی نہیں تھی بلکہ لڑکی نے دیونی کا نقاب پہنا ہُوا تھا اور وہ مٹھائی کی بنی ہوئی گڑیا کھا رہی تھی۔ اس میں سے جو ٹپکتا ہوا خون نظر آ رہا تھا، وہ تو محض غازہ تھا۔ یہ دیکھ کر نوجوان بولا۔

"اے نوجوان لڑکی! اس کی ایک ٹانگ مجھے بھی دو تاکہ میں بھی کھاؤں ۔۔۔؟"

اتنا کہنے کے ساتھ ہی اس نے دروازہ کھول کر اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ جیسے ہی اس نے یہ کہا آگے سے لڑکی بول پڑی۔۔۔

"تم نے وہ بات کہی ہے جو میں سننا چاہتی تھی۔ یہاں بہت سے نوجوان مجھ سے شادی کرنے آئے مگر وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے۔ کسی میں اتنی ہمت نہ تھی جو اس کے بعد یہاں ٹھہرتا۔ تم ہی وہ آدمی ہو جو میرا شوہر بننے کے قابل ہو!"

اس کے ساتھ ہی اس نے نقاب اور وہ سفید لباس اتار دیا جو کپڑوں کے اوپر پہن رکھا تھا اور اب ایک حسین و جوان لڑکی نوجوان کے سامنے کھڑی تھی۔

دوسرے روز لڑکی کے باپ نے سنا تو وہ انتہائی خوش ہوا۔ اور اس نے بڑی دھوم دھام سے اپنی بیٹی کی شادی نوجوان سے کردی اور اس طرح وہ سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔



پیال کی گڑیاں



اس بات کو صدیاں بیت گئیں۔ جاپان میں کسی جگہ ایک جاگیردار رہتا تھا جو مینرن اور بیچو صوبوں کی سرحد پر ایک عبادت گاہ تعمیر کروانا چاہتا تھا۔ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اسے ایک ایسے بڑھئی کی تلاش تھی جو اپنے فن میں مہارت رکھتا ہو تاکہ عبادت گاہ خوبصورت سے خوبصورت تر تعمیر ہو سکے۔ اس نے جگہ جگہ سے کاریگر بلوائے مگر اس کی پسند کا بڑھئی نہ مل سکا۔ کئی ماہر بڑھئی آتے اور چلے جاتے جاگیردار کسی سے مطمئن نہیں ہوتا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کسی دُور دراز صُوبے سے ایک کاریگر آیا جو اکیلا تھا۔ وہ جاگیردار کی خدمت میں حاضر ہُوا اور کہا۔

"میں آپ کی پسند کے مُطابق عبادت گاہ تیار کروں گا۔!"

جاگیردار اسے دیکھ کر کچھ دیر کے لئے تعجب میں پڑ گیا کیونکہ اس سے پہلے جتنے کاریگر آئے تھے، ان سب کے ساتھ کئی کئی مددگار بھی تھے۔ اور یہ صرف اکیلا تھا۔ اس نے بڑھئی کو حیرانی سے دیکھتے ہوئے پُوچھا۔

"کیا تم اکیلے پوری عبادت گاہ تعمیر کرو گے ۔۔ ؟"

"جی ہاں ۔۔ میں اکیلا ہی یہ سارا کام کر دوں گا۔!"

بڑھئی نے سر جُھکا کر کہا۔ جاگیردار اور بھی متعجب ہُوا۔

"یہ کیسے ممکن ہے ۔۔ ؟ تنہا آدمی عمارت کیسے تعمیر کر سکتا ہے ۔۔ ؟"

اس نے یہ کہتے ہوئے بڑھئی کی طرف غور سے دیکھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس وقت وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ آدمی دیوانہ تو نہیں ۔۔ ؟

وہ ایک بار پھر پوچھنے لگا۔

"یہ بات کیسے ممکن ہے ۔؟ تم کیسے اکیلے یہ عبادت گاہ مکمل کر لو گے ۔؟"

جواب میں بڑھئی ایک بار پھر جھکا اور بولا۔

"حضور آپ مجھے اجازت دیں۔ میں تنہا یہ کام کر کے دکھاؤں گا۔؟"

جاگیردار نے کچھ دیر سوچا اور پھر اسے عبادت گاہ تعمیر کرنے کی اجازت دیدی۔

جب بڑھئی کو اجازت دے دی گئی تو اس نے عرض کیا۔

"حضور میری ایک درخواست ہے۔؟"

"وہ کیا ہے ۔ ہمیں بتاؤ ۔؟"

جاگیردار کے اتنا کہنے پر بڑھئی نے بڑے ادب سے کہا۔

"میری درخواست ہے کہ جب تک عبادت گاہ مکمل طور پر تیار نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی شخص اس جگہ پر نہ آئے جہاں عبادت گاہ تعمیر ہو گی۔!"

اس کی یہ بات بڑی عجیب و غریب تھی۔ جاگیردار کے آس پاس جو لوگ بیٹھے تھے وہ یہ بات سُن کر بڑے حیران ہوئے۔ خود جاگیردار بھی بڑے تعجب میں تھا کہ یہ کیسی شرط ہے۔؟ بہرصورت وہ اسے اجازت تو دے ہی چکا تھا اس لئے اس نے اس کی یہ شرط بھی مان لی۔ دراصل وہ اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ بڑھئی یا تو کوئی دیوانہ ہے یا پھر کوئی غیر معمولی شخص ہے۔ اس کے پاس یقیناً کوئی غیبی طاقت ہے۔ یہی سوچ کر وہ بڑھئی سے بولا۔

"ہمیں تمہاری شرط منظور ہے۔ جب تک تم عبادت گاہ کی تعمیر کا کام مکمل نہیں کر لو گے اس وقت تک وہاں کوئی شخص نہیں جائے گا۔"

چنانچہ بڑھئی کو ضروری ساز و سامان فراہم کر دیا گیا اور اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔

یوں تو جاگیردار نے بڑھئی سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ عبادت گاہ کی تعمیر کے دوران وہاں کوئی شخص نہیں جائے گا لیکن حقیقت میں اسے اس سلسلے میں بڑا تجسس تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس میں آخر کیا راز ہے ۔؟ وہ ہی نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی بڑی کھوج تھی۔ ہر شخص اپنی جگہ حیران تھا اور جاننا چاہتا تھا کہ بڑھئی کیا کرتا ہے۔ تاہم انہوں نے اس سے وعدہ کیا تھا اس لئے وہ خاموش رہے اور اسے تنہا کام کرنے دیا۔

بڑھئی نے کام شروع کر دیا تھا اور وہ بڑی تیزی سے عبادت گاہ کی تعمیر کا کام آگے بڑھا رہا تھا۔ دن کے وقت وہ اکیلا کام کرتا تھا لیکن دوسری صبح اس کا کام بہت سا ہو چکا ہوتا تھا۔

یہ بات جاگیردار اور دوسرے لوگوں کے لئے اور بھی تعجب کا باعث تھی آخر کار جاگیردار سے نہ رہا گیا اور ایک رات وہ خفیہ طور پر اس جگہ گیا جہاں عبادت گاہ تعمیر ہو رہی تھی۔ اس نے چھپ کر دیکھا تو اس کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ وہاں تیس چالیس بڑھئی کام کر رہے تھے اور سب کی شکل و شباہت بالکل ایک سی تھی۔ سارے کاریگر اس بڑھئی کی شکل و صورت کے تھے جس نے عبادت گاہ تعمیر کرنے کی ذمہ داری لی تھی۔ جاگیردار نے دیکھا تو وہ سب کے سب بڑی پھرتی اور تیزی سے کام میں مصروف تھے۔ اس نے کوشش کی کہ اصل بڑھئی کا پتہ چلایا جائے مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آسکا۔ اُدھر کاریگر تھے جو سب بڑی خاموشی سے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔

دن گزرتے گئے۔ یہاں تک کہ عبادت گاہ مکمل ہونے کے قریب ہوگئی۔ اور پھر جب آخری مرحلہ آگیا تو جاگیردار لوگوں سے کہنے لگا۔

"اس کاریگر کو انعام دینا چاہیئے۔ اس نے اتنی جلدی عبادت گاہ کی تعمیر مکمل کر دی ہے۔"

عبادت گاہ نہ صرف جلدی مکمل ہوئی تھی بلکہ انتہائی خوبصورت بھی تھی۔ چنانچہ جاگیردار دُوسرے لوگوں کے ساتھ وہاں پہنچا تاکہ بڑھئی کو انعام دے مگر جب وہ وہاں پہنچا تو ایک بڑھئی نہیں تھا بلکہ تیس چالیس آدمی تھے جو سب کے سب ایک ہی شکل و صورت کے تھے۔ جاگیردار نے کوشش کی کہ اصل بڑھئی کو پہچانے لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آسکا۔ وہاں تو سب ہی ایک سے تھے۔ جب وہ اصل بڑھئی کو پہچاننے میں ناکام رہا تو اس نے ان میں سے ایک آدمی سے جو قریب ہی کھڑا تھا دریافت کیا۔

"ان میں سے اصل بڑھئی کونسا ہے۔؟"

اس پر اس آدمی نے بتایا۔

"اصل بڑھئی وہ ہے جس کی آنکھ کے پاس مسّا ہے۔"

یہ سُن کر جاگیردار باری باری سب کو دیکھتا ہُوا آگے بڑھا۔ اور آخر اس آدمی کے پاس گیا جس کی آنکھ کے پاس مسّا تھا اور جو اصل کاریگر تھا۔ جاگیردار نے اسے بہت سا انعام دیا اور خوشی خوشی دُوسرے لوگوں کے ساتھ چلا آیا۔

اور پھر — جب عبادت گاہ بالکل مکمل ہوگئی تو وہ بڑھئی کسی کو کچھ بتلائے بغیر اچانک غائب ہوگیا اور اس کے ہم شکل دوسرے تمام آدمی وہاں گر پڑے اور گرتے ہی سارے مر گئے۔ لوگوں نے وہاں جاکر دیکھا تو وادی میں ان آدمیوں کی جگہ بہت سی پیال کی گڑیاں پڑی تھیں۔

کہا جاتا ہے کہ جہاں پیال کی یہ گڑیاں پڑی تھیں وہاں ایک چھوٹی سی عبادت گاہ موجود تھی۔ یہی وہ عبادت گاہ ہے جو آج بھی "کی ہتسو عبادت گاہ" کے نام سے موجود ہے۔



سب سے طاقتور پہلوان



کسی زمانے میں جاپان میں ایک پہلوان رہتا تھا۔ اس کا نام دائی ہاچی تھا اور وہ "مینامی اکتیا۔ گن" کے علاقہ "گوجو نومی۔ ماچی" میں پیدا ہوا تھا۔ مقامی روایت کے مطابق یہ جاپان بھر میں سب سے زیادہ طاقتور پہلوان تھا لیکن بدقسمتی سے یہ ایک غریب خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے قریبی علاقے کے ایک امیر آدمی کے پاس ملازمت کر لی تھی۔

ایک روز مالک نے دائی ہاچی سے کہا۔

"زمین کے ٹیکس کے چاول گاڑی پر لاد دو اور اکیتا شہر میں حاکم کو دے آؤ۔!"

دائی ہاچی نے اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کی۔ چاول کی بوریاں ہاتھ کی گاڑی پر لادیں اور اسے کھینچتا ہوا چل دیا۔ گاڑی چاول کی بوریوں سے پوری طرح بھری ہوئی تھی اور دائی ہاچی اپنا پورا زور صرف کر کے کھینچتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ جب وہ حاکم کے محل کے قریب پہنچا تو وہاں چڑھائی آ گئی۔ ایک تو وہ اتنی دُور سے گاڑی کھینچتے کھینچتے بُری طرح تھک چکا تھا، دُوسرا وہاں چڑھائی تھی اس نے بڑی ہمت کی مگر اب گاڑی کھینچنا اس کے لئے مشکل ہو گیا تھا لہٰذا وہ وہاں رُک گیا۔ اس وقت وہ پسینے میں شرابور ہو رہا تھا اور اس کا سانس بُری طرح پھول رہا تھا۔

وہ گاڑی تھامے راستے کے درمیان کھڑا تھا کہ اتنے میں ایک چھوٹا سا بچہ وہاں سے گزرتا ہُوا رُک گیا۔ اس نے دائی ہاچی کو دیکھا اور اس پر طنز کرتے ہوئے بولا۔

"تم کس قدر کمزور آدمی ہو — یہ چھوٹی سی گاڑی بھی نہیں کھینچ سکتے۔؟"

بچے کی بات سُن کر دائی ہاچی کو بہت غصہ آیا۔ وہ قدرے حقارت سے کہنے لگا۔

"اے شرارتی لڑکے۔ اگر اسے کھینچنا اتنا ہی آسان ہے تو تم کھینچ کر دکھا دو۔؟"

اس پر لڑکا بڑے اطمینان سے بولا۔

"میں ایک وقت میں ایسی دس گاڑیاں کھینچ سکتا ہوں!"

"تو پھر کھینچ کر دکھاؤ —؟"

"لو، میں ابھی کھینچتا ہوں"

لڑکا آگے بڑھا، اس نے اپنی چھنگلی ہتھی پر رکھی اور گاڑی کو چڑھائی پر اس آسانی سے لے گیا

جیسے وہ بالکل خالی ہو۔ دائی ہاچی یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بچے نے اسے اس طرح حیران دیکھا تو بولا۔

" دائی ہاچی، میری بات سنو۔ تم کشتی کے مقابلوں میں جاتے ہو اور تمہیں اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے حالانکہ تمہیں اتنی چھوٹی سی طاقت کو کافی نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اگر تم واقعی طاقتور پہلوان بننا چاہتے ہو تو رات کو خاموشی سے تائی ہی پہاڑ پر آجانا ۔۔۔ میں تمہیں وہاں ملوں گا "

بچے کی بات سُن کر دائی ہاچی دل میں سوچنے لگا کہ ۔

" یقیناً یہ بچہ کوئی غیر معمولی شخصیت ہے "

وہ جلدی سے آگے بڑھا اور بچے کے قدموں پر گر پڑا لیکن پلک جھپکتے میں بچہ وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔

جب آدھی رات کا وقت ہوا تو دائی ہاچی اُٹھا اور خاموشی سے تائی ہی پہاڑ پر پہنچ گیا۔ وہاں جاکر وہ سن کیجی عبادت گاہ میں عبادت کرنے لگا۔ وہ دُوسری رات بھی گیا۔ تیسری رات بھی گیا۔ اور اسی طرح سات راتوں تک مسلسل وہاں جاکر عبادت کرتا اور دُعا مانگتا رہا لیکن دیوتا کے کوئی آثار دکھائی نہ دیئے۔ یہ دیکھ کر دائی ہاچی کے دل میں کچھ شک پیدا ہونے لگا۔ آج اسے عبادت کرتے ہوئے ساتویں رات تھی اور اس وقت شدید سردی کی وجہ سے اس کے لئے کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔ اتنے میں اس نے دیکھا تو ایک نوجوان عورت آئی۔ اس نے اپنی چھاتی سے ایک بچہ لگا رکھا تھا۔ وہ عبادت گاہ میں آئی اور بڑی عقیدت اور سنجیدگی سے عبادت میں مصروف ہوگئی۔ دائی ہاچی اسے دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ ۔

" اسقدر شدید سرد رات میں یہ عورت یہاں کیوں آئی ہے ۔۔ ؟ "

وہ ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ عورت اُٹھی، آہستہ سے اس کے قریب آئی اور بولی۔

" تھوڑی دیر کے لئے میرا بچہ اُٹھانا۔ میں ابھی آئی "

یہ کہہ کر اس نے بچے کو آگے بڑھایا جسے دائی ہاچی نے خوشی خوشی اُٹھا لیا۔ عورت بچہ اس کی گود میں دیکر خود ایک طرف کو چلی گئی ۔

دائی ہاچی کا خیال تھا کہ عورت چند منٹ میں لوٹ آئے گی مگر کافی دیر گزرنے پر بھی وہ واپس نہ آئی۔ ادھر دائی ہاچی کا یہ حال تھا کہ وہ بچہ گود میں لئے کھڑا تھا کہ یکایک بچہ وزن سے وزنی تر ہونے لگا۔ پھر وہ لمحہ بہ لمحہ اسقدر بھاری ہوتا چلا گیا کہ ایک وقت ایسا آیا جب اُسے اُٹھانا دائی ہاچی کے لئے انتہائی مشکل ہوگیا۔ اس نے اپنے گھٹنوں کا سہارا لینے کی کوشش کی لیکن اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے گھٹنے وزن سے ٹوٹ رہے ہیں۔ تاہم اس نے اپنی ساری طاقت صرف کرکے اس تکلیف کو برداشت کیا اور بچے کو اُٹھائے رہا۔ اس وقت اس کا سارا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا، سردی کے باوجود ماتھے پر پسینہ بہہ رہا تھا اور اس نے بُری طرح سے اپنے دانت بھینچ رکھے تھے۔ اگرچہ

وہ ابھی تک بچّے کو گود میں اٹھائے ہوئے تھا لیکن اپنی پوری طاقت اور ہمت سے کام لیکر کھڑا تھا۔ اور اب مزید بوجھ برداشت کرنا اس کے بس سے باہر ہو رہا تھا۔

وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بچّے کو زمین پر رکھ دے یا خود بیٹھ جائے کہ اتنے میں ایک طرف سے وہی عورت آگئی۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔!"

اس نے دائی ہاچی سے بچّے کو اپنی گود میں لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ دیر ہونے کی وجہ سے تمہیں میرا انتظار کرنا پڑا۔ اور اتنی دیر تک بچّے کو اُٹھائے رکھا۔"

"نہیں — کوئی بات نہیں۔"

دائی ہاچی نے آہستہ سے کہا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اس بات سے حیران بھی ہو رہا تھا کہ جس بچّے کو اس نے بڑی مشکل سے اُٹھایا تھا، عورت نے اسے بڑی آسانی سے اُٹھا رکھا تھا — پھر اس نے دیکھا عورت بالکل اس کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی اور یکایک اس کے اور بچّے کے جسم سے ایسی روشنی نکلنے لگی کہ چاروں طرف صاف دکھائی دینے لگا۔ اس تیز روشنی کے درمیان کھڑی عورت اسے مخاطب کرکے بولی۔

"دائی ہاچی — میری بات سنو — میں اس علاقے کی حفاظت کرنے والا سب سے بڑا دیوتا سن کیچی دائی میوجن ہوں۔ تم اس بچّے کو اُٹھانے کے امتحان میں کامیاب ہوگئے ہو۔ اب میں تمہیں ایسی طاقت دوں گا جس کی کوئی حد نہیں ہوگی۔"

اتنی بات سنتے ہی دائی ہاچی بے اختیاری سے آگے بڑھا اور عورت کے قدموں پر گر پڑا لیکن جیسے ہی اس نے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا وہ غائب ہو چکی تھی۔

دوسری صبح جب دائی ہاچی عبادت گاہ سے باہر نکلا تو اس میں اسقدر طاقت آچکی تھی کہ چلتے میں اس کے پاؤں زمین میں دھنس رہے تھے۔ اس کے بعد وہ ایڈو میں آگیا اور واقعی اپنے وقت کا جاپان میں سب سے طاقتور پہلوان بن گیا۔



دھان کی فصل



یہ آج سے صدیوں پہلے کی بات ہے۔ کسی زمانے میں جاپان کے علاقہ سینچو موڈن میں ایک آدمی رہتا تھا۔ وہ بہت امیر تھا اور اس کے پاس دولت کی کمی نہ تھی۔ اس کی تین بیٹیاں تھیں۔ تینوں جوان تھیں اور انتہائی حسین تھیں۔ اس آدمی کو اپنی بیٹیوں سے بہت پیار تھا۔

یہ آدمی دراصل ایک بہت بڑا زمیندار تھا اور بے شمار زمین اس کی ملکیت تھی۔ اس کے گھر کے پچھلی طرف کئی سو ایکڑ دھان کے کھیت تھے اور سامنے کی جانب بھی ہزاروں ایکڑ زمین میں پھیلے ہوئے کھیت تھے جن میں سینکڑوں لوگ کاشتکاری کرتے تھے۔

اتفاق کی بات کہ ایک سال ایسا آیا جب بارش نہ ہوئی۔ یہ زمانہ شہنشاہ کیکو کی حکومت کا تھا۔ دھان کی پنیری بونے کا موسم آگیا تھا اور بارش نہ ہونے کی وجہ سے کھیت سوکھے پڑے تھے لوگ بیچارے بڑے پریشان ہوتے، دن رات دعائیں مانگتے۔ دیوتاؤں کے آگے گڑگڑاتے مگران کی مایوسی امید میں نہ بدل سکی۔ موسم گذر رہا تھا اور بارش کے کوئی آثار نہ تھے۔ آخر تمام کاشتکار امیر آدمی کے پاس آئے اور کہا۔

"آپ ہی دعا کریں۔ اگر بارش نہ ہوئی تو دھان کی فصل بوئی نہ جاسکے گی۔"

امیر آدمی بھی اپنی جگہ پریشان تھا لیکن قدرت کے آگے کسی کا بس نہ چلتا تھا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا۔

"اگر میں پرانے تالاب کے اژدھا دیوتا سے دعا کروں تو ہوسکتا ہے بارش ہوجائے۔"

یہی کچھ سوچ کر وہ گھر نکل کھڑا ہوا اور آسو لو مورا کے علاقہ تکا نسوہارا میں پہنچ گیا۔ وہاں جاکر اس نے پرانے تالاب کے اژدھا دیوتا کے آگے دعا مانگی تاکہ بارش ہوجائے اور لوگ دھان کی فصل بو سکیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے دیوتا سے یہ وعدہ کیا کہ:۔

"اگر میری دعا قبول ہوگئی اور بارش ہوگئی تو میں اپنی تینوں بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کو دیوتا کی نذر کروں گا۔"

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کی دُعا قبول ہوگئی اور بارش ہونے لگی۔ اس طرح زمین گیلی ہوگئی اور تمام کاشتکار کھیتوں میں دھان بونے میں مصروف ہوگئے۔ ابھی وہ دھان کی پنیری لگا ہی رہے تھے کہ ادھر ایک بندر والا آگیا۔ لوگوں نے اسے دیکھا تو اس کے گرد جمع ہوگئے۔ یوں وہ دھان بونے کی بجائے اب بندر کا تماشا دیکھنے لگے تھے۔ اس وقت وہ یہ بھی بھول گئے تھے کہ سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے انہیں دھان کی بوائی مکمل کرنی تھی۔ وہ سب بندر کا تماشا دیکھنے میں محو تھے اور سورج غروب ہونے والا تھا۔ ادھر جب امیر آدمی نے یہ دیکھا تو بہت گھبرایا۔ اس نے لوگوں کو کام کی طرف متوجہ کیا مگر وقت گذر چکا تھا اور سورج ڈوبنے ہی والا تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے پنکھا ہاتھ میں لیا اور اس کا رُخ ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف کرکے اس طرح ہلانے لگا جیسے اسے واپس بُلا رہا ہو۔ اور تعجب کی بات یہ کہ ہوا بھی یہی۔ واقعی ڈوبتا ہُوا سورج ایک بار پھر اوپر اٹھنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے پھر سے آسمان پر چمکنے لگا۔

دُوسری جانب جونہی کاشتکاروں نے دیکھا کہ سورج ایک بار پھر آسمان پر چمکنے لگا ہے تو وہ کھیتوں کی طرف بھاگے اور اپنا چھوڑا ہوا کام مکمل کرنے میں لگ گئے۔ ہر آدمی یہ کوشش کر رہا تھا کہ جسقدر جلد ہو سکے وہ اپنے حصّے کے دھان کی بوائی کرلے۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے کھیتوں میں دھان کی بوائی مکمل ہوگئی۔

امیر آدمی نے جب یہ دیکھا کہ دن کی روشنی میں دھان کی تمام پنیری لگ گئی ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے سب کو شاباش دی اور پھر اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"میری دُعا قبول ہوگئی ہے۔ یہ سب کچھ اژدھا دیوتا کی مہربانی ہی سے ہوسکا ہے۔ بارش بھی ہوئی اور سورج بھی دوبارہ نکل آیا۔"

اسے اپنا وہ وعدہ بھی اچھی طرح یاد تھا جو اس نے اژدھا دیوتا سے کیا تھا۔ نہ صرف یاد تھا بلکہ اب وہ اُسے پورا کرنا چاہتا تھا۔ یہی کچھ سوچ کر وہ اپنے گھر آیا اور سب سے پہلے اپنی بڑی بیٹی کے پاس گیا۔ اس نے اسے ساری بات بتائی اور پھر کہا۔

"میں نے اژدھا دیوتا سے وعدہ کیا تھا کہ اپنی ایک بیٹی سے اس کی شادی کردوں گا۔ دیوتا نے اپنا وعدہ پورا کردیا ہے اور اب میری باری ہے۔ کیا تم دیوتا سے شادی کرنا پسند کروگی۔۔۔؟"

جواب میں بڑی بیٹی نے سختی سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"کیا میں اژدھا دیوتا سے شادی کروں گی۔۔۔؟ مجھے یہ تجویز ہرگز منظور نہیں!"

بڑی بیٹی کا یہ جواب سُن کر وہ اپنی منجھلی بیٹی کے پاس گیا اور اسے بھی ساری بات بتائی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ تمہاری بڑی بہن نے اژدھا دیوتا سے شادی کرنے سے انکار کردیا ہے مگر میں نے دیوتا کو عہد دیا ہے۔ پھر وہ قدرے منت کے لہجے میں بولا۔

"میری اچھی بیٹی! کیا تم اژدھا دیوتا سے شادی کرنا پسند کروگی۔؟"
منجھلی بیٹی نے باپ کی بات سُنی اور اس نے بھی صاف انکار کر دیا۔ کہنے لگی۔
"کیا اس طرح بھی کوئی اپنی بیٹی کی شادی کرتا ہے۔؟ میں اژدھا دیوتا سے ہرگز شادی نہیں کروں گی۔!"

امیر آدمی بڑا مایوس ہوا مگر کیا کر سکتا تھا۔ وہ اپنا عہد بھی پورا کرنا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں بیٹی کی رضامندی بھی ضروری تھی۔ لہٰذا اب وہ اپنی تیسری اور سب سے چھوٹی بیٹی کے پاس گیا۔ اس نے پہلے اسے ساری بات بتائی اور پھر پوچھا۔

"میری پیاری بیٹی! تمہاری دونوں بہنوں نے اژدھا دیوتا سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ کیا تم دیوتا سے شادی کرنے پر تیار ہو تاکہ میں اپنے وعدے سے جھوٹا نہ پڑوں۔؟"

اسے یقین تھا کہ چھوٹی بیٹی بھی انکار کر دے گی مگر اس کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی جب اس نے جواب میں کہا۔

"میں شادی کرنے پر تیار ہوں مگر ایک شرط پر ۔۔!"
"وہ شرط کیا ہے ۔۔ بیٹی مجھے جلدی بتاؤ ۔۔؟"
اس نے بے تاب ہو کر دریافت کیا۔ اس پر لڑکی نے بتایا ۔۔
"مجھے لکڑی کے سات صندوقوں میں بند کر کے اژدھا دیوتا کے پاس پہنچایا جائے۔"
"ٹھیک ہے ۔ ایسا ہی ہوگا ۔ جیسے تم کہوگی ویسے ہی کریں گے۔"

چنانچہ لڑکی کے کہنے کے مطابق لکڑی کے چھوٹے بڑے سات صندوق اس طرح تیار کیے گئے کہ ایک کے اندر دوسرا آجائے ۔ جب یہ صندوق تیار ہو گئے تو سب سے چھوٹے صندوق میں لڑکی کو بند کر دیا گیا اور پھر اس صندوق کو چھ صندوقوں میں بند کر دیا گیا ۔ اس کے بعد جیسے ہی رات ہوئی گاؤں کے چند لوگوں نے وہ سات تہوں والا صندوق اُٹھایا اور پُرانے تالاب کے کنارے لے گئے جہاں اژدھا دیوتا رہتا تھا۔ انہوں نے صندوق تالاب کے کنارے رکھا اور چلے آئے۔

سب کو اس بات کا یقین تھا کہ صبح تک لڑکی زندہ نہیں بچ سکے گی۔ اژدھا دیوتا اسے کھا جائے گا۔ یہی کچھ سوچ کر ہر کوئی مایوس تھا۔ خاص طور پر امیر آدمی اور اس کی دونوں بیٹیاں بہت اُداس تھیں۔ اس رات وہ اُداسی اور غم میں سو بھی نہیں سکے تھے۔

دوسرے روز جیسے ہی سورج طلوع ہوا، امیر آدمی گاؤں کے لوگوں کے ساتھ تالاب کے کنارے گیا۔ وہاں جاکر انہوں نے دیکھا کہ ساتویں صندوق کے اندر لڑکی زندہ سلامت تھی اور رو رہی تھی۔ وہ حیران بھی تھے اور خوش بھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ زندہ کیسے بچ گئی۔؟ اوپر کے چھ صندوق لوٹے ہوئے تھے لیکن ساتواں صندوق جوں کا توں موجود تھا۔ اس کا صرف ایک حلقہ ٹوٹا ہوا تھا۔ انہوں نے جلدی جلدی صندوق کھول کر لڑکی کو باہر نکالا۔ اُسے تسلی دی اور پھر دریافت کیا۔

"تم زندہ کیسے بچ گئیں — ؟"

جواب میں لڑکی نے بتایا —

"میں تمام رات سوتر (مہاتما بودھ کی تعلیمات) پڑھتی رہی جس کی وجہ سے اژدھا دیوتا مجھ تک نہیں پہنچ سکا اور میں بچ گئی۔"

کہا جاتا ہے کہ اس وقت سے آج تک اسی وجہ سے جاپانی زبان میں صندوق کے نچلے حلقے کو "ناکیوا" کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی ہیں رونے والا حلقہ — اور پھر جب فصل پکنے کا موسم آیا تو امیر آدمی کے تمام کھیتوں کے دھان سینٹھوں میں تبدیل ہو گئے تھے۔



کوئلوں کا سونا



یہ آج سے صدیوں پہلے کی بات ہے جاپان میں کسی جگہ پہاڑوں کے درمیان ایک نوجوان رہتا تھا۔ اس کا نام ماتاجورو تھا اور وہ مفلسی میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا، انہیں جلا کر کوئلے بناتا اور پھر کوئلے وہاں سے دُور شیمودا بندرگاہ پر لے جاتا جہاں انہیں فروخت کر کے چند پیسے کما لیتا۔ اس طرح اپنے کھانے پینے کا سامان خرید لاتا اور یوں جیسے تیسے کر کے اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ ماتاجورو مشکل سے اتنے ہی کوئلے بنا پاتا تھا جن کی قیمت سے وہ صرف اپنا پیٹ بھرنے اور تن ڈھانپنے کا بندوبست کر سکتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ کوئی شخص اسے اپنی بیٹی دینے پر تیار نہ تھا اور وہ اکیلا زندگی بسر کر رہا تھا۔

اسی زمانے میں کیوٹو میں ایک امیر آدمی رہتا تھا۔ اس امیر آدمی کی ایک انتہائی خوبصورت بیٹی تھی جس کا نام افوجی تھا۔ افوجی جوان ہو چکی تھی اور اس کے ماں باپ اس بات سے سخت پریشان تھے کہ ابھی تک اس کے لئے کوئی رشتہ نہ آیا تھا۔ روز بروز اس کی عمر بڑھتی جا رہی تھی اور ماں باپ اور زیادہ فکر مند ہو رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کی بیٹی حسین بھی ہے، جوان بھی ہے اور ان کے پاس دولت بھی ہے، پھر اس کے لئے کوئی رشتہ کیوں نہیں آ رہا ـــــ؟ یہی غم انہیں کھائے جا رہا تھا۔

آخر کار ایک روز امیر آدمی اور اس کی بیوی ایک ایسے شخص کے پاس گئے جو قسمت کا حال بتاتا تھا۔ انہوں نے اس سے بڑی عاجزی سے کہا۔

"اے قسمت کا حال بتانے والے! ہماری بیٹی جوان ہو چکی ہے لیکن ابھی تک اس کے لئے کوئی رشتہ نہیں آیا ـــ وہ حسین بھی ہے اور ہمارے پاس دولت کی بھی کمی نہیں۔ مہربانی کر کے فال کھولو اور ہمیں بتاؤ کہ اس کی شادی کب ہو گی ـــ؟"

قسمت کا حال بتانے والے نے ان کی پوری بات سُنی اور پھر اپنے علم سے مستقبل کے حالات معلوم کر کے بولا۔ "تمہاری بیٹی کی شادی کا فیصلہ اس کے گزشتہ جنم میں ہو چکا ہے"۔

"وہ کیا ہے ـــ؟ ہمیں جلدی بتاؤ اس کی شادی کس سے اور کب ہو گی ـــ؟"

"تمہاری بیٹی کی شادی ایک غریب کوئلے بیچنے والے نوجوان سے ہو گی جس کا نام ماتاجورو ہے ـــ

یہ نوجوان کاموگاوا کے پہاڑوں کے درمیان ہاآتا میں رہتا ہے ۔۔۔ وہی تمہاری بیٹی کا شوہر بنے گا۔"

میرآدمی اور اس کی بیوی نے جب یہ بات سُنی تو کچھ دیر کے لئے سکتے میں آ گئے ۔۔۔ کیا واقعی ان کی خوبصورت بیٹی کی شادی ایک کوئلے بیچنے والے سے ہوگی ۔۔۔ ؟ یہ سوچ کر وہ دونوں حیران ہو رہے تھے مگر پھر وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گئے کہ اس کی قسمت میں ہی یہی لکھا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں ۔۔۔ ؟ چنانچہ وہ دونوں مایوس اور نڈھال سے گھر واپس آ گئے اور آ کر اپنی بیٹی کو ساری بات بتا دی۔

اوجی بڑی صابر اور نیک دل لڑکی تھی۔ اس نے جب یہ سُنا کہ اس کی قسمت ایک کوئلے بیچنے والے سے بندھی ہے تو وہ اپنے ماں باپ سے کہنے لگی۔

"آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ میری شادی گزشتہ جنم ہی سے ایک کوئلے بیچنے والے سے طے ہو چکی ہے اس لئے میں چاہتی ہوں، آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں اپنے ہونے والے شوہر کو تلاش کروں ۔۔۔ ؟"

ماں باپ نے اسے سمجھایا۔

"بیٹی! وہ یہاں سے بہت دُور کاموگاوا پہاڑوں میں کہیں رہتا ہے۔ تم اکیلی اسے کہاں تلاش کرتی پھرو گی ۔۔۔ ؟"

مگر لڑکی نہ مانی۔ اس نے اصرار کیا کہ اسے جانے کی اجازت دی جائے۔ آخر ماں باپ مجبور ہو گئے اور انہوں نے اسے اجازت دے دی۔ اس طرح اوجی اکیلی کیوٹو سے نکل کر شیرا ایشی پہاڑ کی جانب چل دی۔

وہ چلتی رہی ۔۔۔ چلتی رہی ۔۔۔ راستے میں دریا آئے، اس نے انہیں عبور کیا، پہاڑ آئے انہیں پار کیا اور منزلوں پر منزلیں طے کرتی ہوئی ایک ایسی جگہ پہنچ گئی جس کا نام دیائی تھا۔ یہ ایک سنسان جگہ تھی جہاں دُور دُور تک کوئی آدمی دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ وہاں کھڑی چاروں طرف نظریں دوڑا رہی تھی کہ اسے دُور سے ایک آدمی آتا نظر آیا۔ جب وہ آدمی اس کے قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ سر سے پاؤں تک کوئلوں کی راکھ سے کالا ہو رہا تھا۔ اس کے کندھے پر ناڑ کی بنی ہوئی بوری تھی جس میں کوئلے بھرے ہوئے تھے۔ اس آدمی کو دیکھ کر اوجی دل ہی دل میں بڑی خوش ہوئی۔ سوچنے لگی۔

"چلو کوئی آدمی نظر تو آیا۔ ہو سکتا ہے، یہ کاموگاوا کے پہاڑوں میں رہنے والے ماتاجورو کے بارے میں کچھ جانتا ہو ۔۔۔ !"

اس نے آگے بڑھ کر اس سے دریافت کیا۔

"میں کاموگاوا کے نوجوان ماتاجورو کی تلاش میں آئی ہوں۔ کیا تم مجھے اس کا پتہ بتا سکو گے ۔۔۔ ؟"

جواب میں نوجوان حیران سا ہو کر بولا۔

"میں ہی ماتاجورو ہوں اور شیمودا بندرگاہ پر کوئلے فروخت کرنے جا رہا ہوں ۔۔۔ مگر تم مجھے کیوں تلاش کر رہی ہو ؟"

جیسے ہی اوجی نے یہ سُنا اس کی خوشی اور حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ جس کی تلاش میں آئی تھی اسے

مل گیا تھا۔ اس نے ماتاجورو کو اپنی پوری کہانی سُنائی اور پھر اس سے کہنے لگی۔

"تم مجھے اپنی بیوی بنا لو اس لئے کہ ہم دونوں کی شادی گزشتہ جنم میں طے ہو چکی ہے ۔۔!"

ماتاجورو اچانک یہ بات سُن کر بڑا پریشان ہُوا۔ وہ گھبرا سا گیا اور ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"میں ایک غریب آدمی ہوں ۔۔۔ میں اسقدر خوبصورت لڑکی سے کیسے شادی کر سکتا ہوں ۔۔۔؟ میرے پاس تو تمہیں رکھنے کے لئے اچھا گھر بھی نہیں ہے ۔۔؟"

اس طرح ماتاجورو نے بہتیرا انکار کیا لیکن اوجی تو آئی اسی کے لئے تھی۔ جب اس کا اصرار بڑھ گیا تو آخر مجبور ہو کر وہ اسے اپنے ساتھ اپنی جھونپڑی میں لے گیا جو ایک پہاڑ کے دامن میں تھی۔ وہاں پہنچ کر اوجی نے دیکھا تو اس کی جھونپڑی میں ہر طرف مفلسی برس رہی تھی۔ یہ دیکھ کر اس نے سونے کے دو سکّے نکال کر ماتاجورو کو دیئے اور کہا۔



راہبہ کا انصاف



یہ پرانے زمانے کی بات ہے۔ جاپان کے کسی علاقے میں ایک نوجوان رہتا تھا۔ وہ نوجوان ابھی کنوارا تھا اور اس کے ماں باپ کی بڑی تمنا تھی کہ وہ اس کے لئے ایک اچھی سی دلہن لائیں۔ انہوں نے اس کے لئے رشتہ تلاش کیا اور جب انہیں ان کی پسند کی لڑکی مل گئی تو انہوں نے بڑے چاؤ سے اپنے بیٹے کی شادی کر دی۔ شادی کو ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ اس کے والدین اللہ کو پیارے ہو گئے۔ چونکہ نوجوان کو ان سے بہت محبت تھی اس لئے اسے ان کی موت کا بڑا صدمہ تھا۔ وہ ہر وقت اداس اداس رہنے لگا۔

ایک روز ہوا یہ کہ نوجوان اپنے کاروبار کے سلسلے میں ایڈو گیا۔ وہ ایڈو شہر میں ادھر اُدھر گھوم رہا تھا کہ اس نے ایک جگہ آئینوں کی دکان دیکھی۔ یہ نوجوان پہلی بار کسی شہر میں آیا تھا۔ وہ حیران سا ہو کر شہر میں گھوم رہا تھا لیکن جیسے ہی اس نے آئینوں کی دکان دیکھی تو وہ اور بھی تعجب میں پڑ گیا۔ وہ اپنے دل میں سوچنے لگا، یہ کیا عجیب و غریب چیزیں بک رہی ہیں۔ آئینہ بھی اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ آہستہ سے دکان کے اندر گیا اور ایک آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ چونکہ اس کی شکل اس کے باپ سے بڑی مشابہ تھی اس لئے آئینہ میں اسے اپنے باپ سے ملتا جلتا چہرہ نظر آیا۔ اب تو وہ واقعی بڑا حیران اور پریشان ہوا۔ ہولے سے اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ میرا باپ یہاں ہو گا۔!"

اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے قدرے قریب ہو کر ایک بار پھر آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھا۔

"ہاں — یہ واقعی میرا باپ ہے جو یہاں آگیا ہے!"

وہ اپنے آپ سے بولا۔ پھر آگے بڑھ کر دکاندار سے آئینہ کی قیمت پوچھی اور پیسے ادا کر کے آئینہ لیکر خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

واپس آکر اس نے وہ آئینہ اپنے گھر کے ایک کمرے میں بنی ہوئی عبادت گاہ میں سجا کر رکھ دیا۔ اب اس کا یہ معمول بن گیا تھا کہ وہ روزانہ بڑی عقیدت سے گھنٹوں آئینہ کے سامنے بیٹھا رہتا۔ اور بعض اوقات تو وہ سارا سارا دن وہیں بیٹھکر گزار دیتا۔

دوسری طرف اس کی بیوی بڑی حیران تھی۔ وہ اپنے دل میں سوچتی، یہ میرا شوہر ہر روز عبادت گاہ میں جاکر اتنی دیر تک کیا کرتا رہتا ہے۔؟ پہلے تو اس طرح نہیں کرتا تھا، اب کیا خاص بات ہوگئی ہے۔؟ چنانچہ ایک روز جب اس کا شوہر گھر پر موجود نہیں تھا، وہ عبادت والے کمرے میں گئی۔ جیسے ہی اس نے کمرے میں آگے بڑھ کر دیکھا تو آئینے میں اپنا چہرہ نظر آیا۔ وہ بھونچکا سی ہو کر رہ گئی۔

"اچھا — تو یہ بات ہے!"

آئینے میں اس کا اپنا چہرہ تھا لیکن وہ پاؤں پٹخ کر بولی۔

"اب مجھے پتہ چلا ہے کہ میرا شوہر اتنی دیر اس کمرے میں کیوں رہتا ہے۔ وہ اس عورت کے لئے یہاں بیٹھتا ہے اور اس کے ساتھ وقت گزارتا ہے۔ آج اسے آنے دو — میں دیکھتی ہوں!"

وہ غصے میں بھری بیٹھی تھی کہ اس کا شوہر آگیا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اس پر برس پڑی۔

"تمہیں شرم نہیں آتی، تم اس کمرے میں ایک عورت کے ساتھ بیٹھے رہتے

ہو۔ مجھے کہتے ہو میں عبادت کرتا ہوں اور عورت کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہو۔

"آج میں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا ہے"

اس کا شوہر بڑا حیران ہوا اور اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ کونسی عورت۔ کیسی عورت۔ میں نے تو کوئی عورت نہیں دیکھی۔۔۔؟"

شوہر کے اس جواب سے وہ اور بھی چراغ پا ہوگئی اور تیزی سے بولی۔

"اچھا۔ اب تم مجھے جھٹلا رہے ہو۔۔۔ میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ تم نے گھر میں داشتہ رکھی ہوئی ہے۔ تم نے اسے سونے کے فریم میں بند کر کے رکھا ہوا ہے۔"

اب تو اس کا شوہر اور بھی حیران و پریشان ہوگیا۔ وہ اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہوش کی دوا لو۔۔۔ یہ تم کیا بک رہی ہو۔ وہ تو میرا باپ ہے اور تم اسے میری داشتہ بتا رہی ہو۔!"

اس طرح وہ دونوں آپس میں جھگڑنے لگے۔ اور دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔۔۔ اتفاق سے عین اس وقت ایک راہبہ آگئی۔ اس نے انہیں جھگڑتے ہوئے دیکھا تو پوچھنے لگی۔

"تم دونوں آپس میں کیوں لڑ رہے ہو۔ کیا بات ہے۔۔؟"

جواب میں عورت جلدی سے کہنے لگی۔

"میرا شوہر گھر میں داشتہ لے آیا ہے۔"

اس پہ شوہر تردید کرتے ہوئے بولا۔

"یہ جھوٹ کہہ رہی ہے۔ میں تو صرف اپنے باپ کو لایا ہوں اور یہ اسے میری

داشتہ بتا رہی ہے۔"

چنانچہ دونوں میں پھر جھگڑا شروع ہو گیا۔ اس پر راہبہ دونوں کو خاموش کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا۔ ایک منٹ خاموش رہو۔۔ مجھے اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے دو!"

"ہاں۔ دیکھ لو۔۔ تمہیں یقین آ جائے گا"

دونوں ایک آواز ہو کر بولے اور راہبہ عبادت والے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے وہاں جا کر دیکھا تو اسے آئینے میں ایک راہبہ کا چہرہ نظر آیا جو در اصل اس کا اپنا چہرہ تھا۔ جیسے ہی اس نے آئینے میں راہبہ کا چہرہ دیکھا، وہ دونوں کو سمجھاتے ہوئے بولی

"اب تم دونوں کا جھگڑنا بیکار ہے۔ وہ عورت تو بیچاری اپنے گناہوں پر پشیمان ہو کر راہبہ بن چکی ہے۔۔ اس نے توبہ کر لی ہے اور اب تمہیں چاہیئے کہ تم دونوں بھی اسے معاف کر دو!"

راہبہ کے اتنا کہنے پر وہ دونوں ہکا بکا ہو کر خاموش ہو گئے۔ راہبہ ان سے رخصت ہو کر چلی گئی اور ان دونوں نے واقعی اس عورت کو معاف کر دیا جو توبہ کر کے راہبہ بن چکی تھی۔



بوڑھا اور لومڑی



جاپان کے کسی گاؤں میں ایک بوڑھا اور اس کی بیوی رہتے تھے۔ وہ بہت غریب تھے۔ بیچارہ بوڑھا دن بھر لکڑیاں کاٹتا اور شام کو انہیں بیچ کر جو چار پیسے ملتے ان سے ان کی گزر بسر ہوتی تھی۔

ایک روز بوڑھا حسبِ معمول لکڑیاں کاٹنے کیلئے پہاڑوں میں گیا۔ اس نے ایک جگہ دیکھا تو تین شریر لڑکے ایک لومڑی کو پکڑ کر مار رہے تھے۔ اس نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"ارے شیطانو! بیچاری لومڑی کو کیوں مار رہے ہو۔ اسے چھوڑ دو، جانوروں کو تنگ نہیں کیا کرتے۔؟"

"اگر تمہیں اس پر اتنا ہی رحم آ رہا ہے تو اسے خرید کیوں نہیں لیتے۔؟" لڑکوں نے جواب دیا اور بوڑھا لومڑی کی جان بچانے کے لئے اسے خریدنے پر راضی ہو گیا۔ اس نے تینوں لڑکوں کو ایک ایک سومون (ایک قدیم جاپانی سکہ) دیئے اور لڑکوں نے لومڑی کے گلے میں بندھی ہوئی رسی کھول دی۔ بوڑھے نے لومڑی کو پہاڑوں کی طرف بھگاتے ہوئے کہا۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر پکڑی جاؤ اسلئے جلدی سے اپنے گھر بھاگ جاؤ۔"

لومڑی نے بڑی احسان مند نظروں سے بوڑھے کی طرف دیکھا اور پہاڑوں کی جانب بھاگ گئی۔

دوسرے روز بوڑھا پہاڑوں میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ وہی لومڑی آئی اور اس سے کہنے لگی۔

"دادا میاں! کل تم نے میری جان بچائی تھی۔ میں تمہاری ممنون ہوں اور تمہیں ایک تحفہ دینا چاہتی ہوں!"

"نہیں نہیں ــــ یہ تو میرا فرض تھا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم جلدی سے بھاگ جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو، کل والے شیطان لڑکے پھر تمہیں پکڑ لیں!"

بوڑھے نے اسے پیار سے سمجھایا اس وقت لومڑی کی آنکھوں میں شکریہ کے آنسو تھے، وہ اس سے کہنے لگی۔

"دادا میاں! میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ گاؤں کے پادری کے پاس چائے کی کیتلی نہیں ہے اور اسے اس کی سخت ضرورت ہے۔ میں کیتلی بن جاتی ہوں اور تم مجھے پادری کے ہاتھ فروخت کردو۔ اس طرح تمہیں پیسے مل جائیں گے۔"

اتنا کہنے کے ساتھ ہی لومڑی نے دُم کو اپنے جسم پر لپیٹا اور تین لوٹنیاں کھائیں۔ اور اب وہاں لومڑی کی جگہ ایک خوبصورت قیمتی کیتلی پڑی تھی۔ بوڑھا بڑا حیران ہوا۔ اگرچہ وہ اپنی نیکی کا صلہ نہیں چاہتا تھا لیکن اب کیا کرتا۔؟ مجبوراً اس نے کیتلی لی اور گاؤں کی عبادت گاہ میں پادری کے پاس چلا گیا اور اس سے کہنے لگا۔

"یہ چائے کی قیمتی کیتلی ہمارے گھر میں باپ دادا کے وقتوں سے چلی آرہی ہے مگر اب میں اسے بیچنا چاہتا ہوں ــ؟"

پادری تو پہلے ہی ضرورت مند تھا۔ اسقدر خوبصورت اور قیمتی کیتلی دیکھ کر وہ فوراً راضی ہوگیا۔ اس نے جلدی سے بوڑھے کو تین ریو (ایک قدیم جاپانی سکہ) دیئے اور کیتلی خرید لی۔ غریب بوڑھے نے آج تک کبھی تین ریو حاصل نہیں کئے تھے۔ وہ خوش ہوگیا اور جلدی جلدی گھر کی طرف چل دیا۔

اگلے روز حسبِ معمول بوڑھا لکڑیاں کاٹنے کے لئے پہاڑوں میں گیا تو وہاں پھر لومڑی مل گئی وہ رات کو پادری کے باورچی خانے سے بھاگ آئی تھی وہ بوڑھے سے کہنے لگی۔

" دادا میاں! تم ابھی گاؤں جاؤ۔ میرے لئے لباس کے علاوہ ایک کنگھی اور بالوں کا کوئی زیور لاؤ — ایک ٹیکا ایک تولیہ اور سینڈل بھی لیتے آنا تاکہ میں ایک خوبصورت لڑکی بن جاؤں "

یہ سنتے ہی بوڑھا بھاگا بھاگا گاؤں گیا اور وہ تمام چیزیں لے آیا جو لومڑی نے منگوائی تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے لومڑی نے ایک خوبصورت لڑکی کا روپ اختیار کر لیا اور بوڑھے سے کہنے لگی۔

" دادا میاں! تم مجھے قصبے کے اس آدمی کے پاس لے چلو جو عورتوں کا کاروبار کرتا ہے۔ مجھے اس کے ہاتھ فروخت کر کے اس سے دولت لے لینا "

بوڑھا اپنی جگہ حیران بھی تھا اور پریشان بھی مگر لومڑی لڑکی بن چکی تھی۔ وہ چار و ناچار اسے لیکر اُس آدمی کے پاس پہنچ گیا جس کے بارے میں لومڑی نے کہا تھا۔ وہاں جاکر وہ اس آدمی سے کہنے لگا۔

" کیا تم اس لڑکی کو خریدو گے ۔۔ ؟"

آدمی نے دیکھا، لڑکی جوان بھی ہے اور حسین بھی۔ وہ خوش ہو کر بولا۔

" کیوں نہیں —— میں اسے ضرور خریدوں گا! "

چنانچہ اس نے اسی وقت بوڑھے کو ایک سو 'ریو' دیئے اور لڑکی خرید لی۔ بوڑھا دولت لیکر خوشی خوشی گھر کی طرف چل دیا۔ اس نے آج تک اتنی دولت نہیں دیکھی تھی اسلئے اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔

اس بات کو ایک سال گزر گیا۔ ایک روز لڑکی نے اپنے مالک سے کہنے لگی۔

"میں جب سے یہاں آئی ہوں اپنے گھر والوں سے نہیں ملی۔ازراہِ کرم مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں ان کے پاس جاسکوں ـــ؟"

اس کے مالک نے اس پر ترس کھاکر اسے اجازت دیدی ساتھ کچھ تحفے تحائف دیئے اور کہا۔

"جاؤ تم اپنے گھر والوں سے مل آؤ۔"

اس طرح وہ وہاں سے چلی آئی اور پھر سے لومڑی بن گئی۔

دوسری طرف ایک روز بوڑھا جنگل میں گیا تو اسے پھر لومڑی مل گئی۔وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور پوچھنے لگا۔

"تم کیسی ہو ـــ؟ بہت دنوں کے بعد ملی ہو ـــ؟"

لومڑی نے اسے اپنے بارے میں بتایا اور پھر کہنے لگی۔

"دادا میاں! اب میں گھوڑا بنتی ہوں۔تم مجھے کسی امیر آدمی کے پاس لے جاؤ اور اس کے ہاتھ بیچ دینا۔!" اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا۔"اگر حالات بُرے ہوئے تو پھر شاید ہم آج کے بعد کبھی نہ مل سکیں۔اگر ایسا ہوا تو میری درخواست ہے کہ تم میری برسی منایا کرنا اور لوبان جلانا ـــ لو اب میں گھوڑا بنتی ہوں۔"

"خدا کے لئے رُک جاؤ ـــ میری بات سُنو ـــ! مجھے اب دولت کی ضرورت نہیں ہے۔"

بوڑھا چلّایا مگر اتنے میں لومڑی بھورے رنگ کا گھوڑا بن چکی تھی۔بوڑھے کیلئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اسے لیکر امیر آدمی کے پاس جائے۔اس نے ایسا ہی کیا اور ایک "سوّرلیو" میں گھوڑا امیر آدمی کے ہاتھ فروخت کردیا۔

اس بات کو چند ہی روز گزرے تھے کہ امیر آدمی کو دوسرے لوگوں کے ساتھ کسی میلے میں جانا تھا۔اس نے اپنے ملازموں سے کہا۔

"نئے گھوڑے کو تیار کیا جائے۔ اس پر سفر اچھا رہے گا۔"

ادھر لومڑی اگرچہ گھوڑے کے روپ میں تھی لیکن تھی وہ لومڑی ہی۔ اس میں اتنی طاقت کہاں تھی چنانچہ وہ راستے میں بے دم ہو گئی۔ امیر آدمی نے غصے میں اسے ایک دلدل میں پھنکوا دیا اور خود دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا۔

جب سب لوگ چلے گئے تو لومڑی بڑی مشکل سے دلدل میں سے نکلی اور پہاڑوں کی طرف ایسی گئی کہ پھر کبھی پلٹ کر نہ آئی۔

بوڑھا آدمی جو کبھی لکڑیاں بیچ کر زندگی گزارتا تھا، اب امیر ہو چکا تھا اور اسے یہ تمام دولت محض لومڑی کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔ وہ گاؤں بھر میں مسرت اور خوشحالی کا معزز آدمی مشہور تھا۔ مگر وہ نہ تو لومڑی کو بھولا تھا اور نہ اس کی آخری خواہش کو فراموش کیا تھا۔ اس نے اپنے گھر میں ایک چھوٹی سی عبادت گاہ بنوائی تھی جہاں وہ اور اسکی بوڑھی بیوی ہر مہینے کی انیس تاریخ کو دعا مانگتے تھے تاکہ جنت میں لومڑی کا دوبارہ جنم ہو جائے۔



کھانے اور سونے والا لڑکا



یہ قدیم زمانے کی بات ہے۔ جاپان کے کسی گاؤں میں دو گھر ساتھ ساتھ آباد تھے۔ مشرقی جانب والے گھر میں ایک امیر آدمی رہتا تھا اور مغرب کی طرف جو گھر تھا اس میں ایک غریب آدمی زندگی گزار رہا تھا۔ اس غریب آدمی کی ایک بیوی اور ایک بیٹا تھا۔ وہ تینوں بیچارے جوں توں کر کے زندگی کے دن پورے کر رہے تھے۔ کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ غریب آدمی کا انتقال ہو گیا اور اب صرف بوڑھی عورت اور اس کا بیٹا رہ گیا تھا۔ بیٹا یوں تو جوان تھا مگر وہ انتہائی کاہل واقع ہوا تھا۔ وہ وہ کام کاج کرنے کی بجائے سارا دن گھر میں پڑا رہتا۔ دن بھر سویا رہتا یا پھر اُٹھ کر کھانا کھا لیتا۔ اس کی ماں بیچاری کوئلے بیچ کر گھر کا خرچ چلاتی وہ بیٹے کو بہتیرا سمجھاتی اور کہتی۔

”بیٹا! اب تم جوان ہو۔ کوئی کام کاج کرو اور چار پیسے کما کر لاؤ۔“

مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ وہ اسی طرح کاہل کا کاہل گھر میں پڑا رہتا۔ سوتا اور کھاتا۔ کھاتا اور سوتا۔ یہی وجہ تھی کہ پاس پڑوس والے تمام لوگ اسے ”کھانے اور سونے والا لڑکا“ کہہ پکارتے تھے

کچھ عرصہ بعد نوجوان کی عمر اکیس سال کی ہو گئی۔ ایک روز جب اس کی ماں

قصبے میں کوئلے بیچنے کے لئے جانے لگی تو اس نے ماں سے کہا۔

"ماں! تم میرے لئے ایک پادری کا ہیٹ اور ایک کیمونو لیتی آنا!"
"مگر تم ان کا کیا کرو گے ۔۔۔؟"
ماں نے حیرانی سے دریافت کیا تو لڑکا بولا
"میرے ذہن میں ایک شاندار منصوبہ ہے۔ اس کے لئے مجھے یہ دونوں چیزیں درکار ہیں۔"
اس کی ماں نے سوچا، چلو اس کو یہ دونوں چیزیں لا دیتی ہوں ہو سکتا ہے اس طرح یہ کوئی کام کاج کرنے لگے۔ چنانچہ جب وہ قصبے میں کوئلے فروخت کر کے واپس آنے لگی تو بیٹے کے لئے ایک پادری کا ہیٹ اور کیمونو خرید کر ساتھ لے آئی
نوجوان پادری کا ہیٹ اور کیمونو لیکر بہت خوش ہوا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے چہرے پر رنگ وغیرہ ملا اور داڑھی مونچھیں لگا کر بھیس بدل لیا۔ پھر اس نے کیمونو پہنا، سر پر پادری کا ہیٹ رکھا اور چوری چھپے اپنے پڑوس کے امیر آدمی کے گھر میں گھس گیا۔ وہ دبلے دبلے پاؤں اندر گیا اور گھر میں بنی ہوئی عبادت گاہ کی دانک کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔
جب شام ہوئی اور کھانے کا وقت ہوا تو امیر آدمی اپنے گھر والوں کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھا۔ ابھی انہوں نے کھانا شروع ہی کیا تھا کہ اچانک نوجوان عبادت گاہ کے پیچھے سے کود کر دھم سے سامنے آگیا۔ سب لوگ کھانا چھوڑ کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔ چونکہ نوجوان نے بہروپ بھرا ہوا تھا اس لئے کوئی بھی اسے پہچان نہ سکا۔ سارے اس عجیب و غریب شکل کے آدمی کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جب ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو انہوں نے پوچھا۔
"تم کون ہو ۔۔۔ اور کیا چاہتے ہو ۔۔۔؟"
نوجوان نے اپنا حلیہ تو بدل ہی رکھا تھا، اس نے آواز بھی بدل لی اور کہا۔
"میں اس گاؤں کی نگرانی کرنے والا دیوتا ہوں۔ مجھے حکم ملا ہے کہ تمہاری بیٹی کی

شادی پڑوسی کے بیٹے سے کردی جائے۔ مگر یہ بات یاد رکھو کہ یہ شادی جس قدر جلدی ہو کردو!"

امیر آدمی اور اس کے گھر والے دیوتا کا حکم سن کر پریشان بھی تھے اور حیران بھی مگر کیا کرتے۔؟ یہ گاؤں کے نگران دیوتا کا حکم تھا۔ نوجوان نے امیر آدمی کو تاکید کرتے ہوئے کہا۔

"اگر ان دونوں کی آپس میں شادی نہ ہوئی تو میں دونوں کو مٹی میں تبدیل کردونگا!"

امیر آدمی ہکا بکا ہو کر نوجوان کو دیکھ رہا تھا کہ وہ جلدی سے کمرے سے نکلا اور غائب ہوگیا۔

دوسرے روز صبح ہی صبح امیر آدمی نے اپنے دو تین معتبر ملازم مغرب کی جانب والے گھر روانہ کئے اور پیغام دیا۔

"ہمیں دیوتا نے حکم دیا ہے کہ ہماری بیٹی سے آپ کے بیٹے کی شادی کردی جائے۔"

ادھر جیسے ہی نوجوان کی ماں کو یہ پیغام ملا وہ حیران رہ گئی۔ وہ تو زندگی میں تصور بھی نہیں کرسکتی تھی کہ اسقدر امیر آدمی کی بیٹی کی شادی اس کے کاہل بیٹے سے ہوسکتی ہے۔ وہ بیچاری حیران بھی تھی اور خوفزدہ بھی۔ اس نے رشتہ لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"ہم غریب لوگ ہیں۔ ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ اسقدر امیر آدمی کی بیٹی کا رشتہ قبول کریں۔"

جب امیر آدمی کے ملازم بڑھیا کا یہ جواب لیکر واپس آئے تو وہ اپنے آپ سے کہنے لگے۔

"یہ رشتہ ضرور ہونا چاہیئے ـــ دیوتا کا حکم ہے۔ ورنہ میری بیٹی مٹی کی ہوجائے گی۔"

چنانچہ اب وہ خود بڑھیا کے پاس گیا۔ اس نے اسے بھی وہی جواب دیا جو اس کے ملازموں کو دیا تھا۔ اس پر امیر آدمی بڑھیا کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"اگر یہ شادی نہ ہوئی تو تمہارا بیٹا اور میری بیٹی دونوں مٹی کے ہوجائیں گے!"

جب بڑھیا نے اپنی مفلسی کا عذر پیش تو وہ کہنے لگا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو — میں سب انتظام کروں گا۔"

امیر آدمی نے اسی وقت معماروں، بڑھئیوں اور کاریگروں کو طلب کر کے کہا۔

بڑھیا کا گھر عالیشان مکان میں تبدیل کر دیا جائے۔"

اسی وقت کاریگر اور مزدور لگ گئے اور چند ہی روز میں جہاں ایک ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا تھا، وہاں ایک شاندار مکان نظر آنے لگا۔

جب مکان بن گیا تو کاہل نوجوان کی شادی بڑی دھوم دھام سے امیر آدمی کی بیٹی سے ہو گئی — اور پھر جب دولہا اپنی دُلہن لیکر گھر آیا تو وہ اپنی ماں سے کہنے لگا۔

"ماں! دیکھا تم نے میرے ذہن میں کتنا اچھا منصوبہ تھا —؟ کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا —؟"



خرگوش کی توبہ



یہ آج سے صدیوں پہلے کی بات ہے۔ جاپان کے کسی جنگل میں ایک ننھا خرگوش رہتا تھا۔ یہ جنگل سمندر کے کنارے واقع تھا اور اس میں اس ننھے خرگوش کے علاوہ دوسرے خرگوش بھی رہتے تھے مگر یہ اپنی طبیعت کے لحاظ سے دوسروں سے بہت مختلف تھا۔ یوں تو یہ شرارتی بھی بہت تھا لیکن انتہائی ذہین اور چالاک بھی تھا۔ جب یہ روزانہ جنگل سے نکل کر سمندر کے کنارے پانی پینے کے لئے آتا تو دُور تک پھیلے ہوئے سمندر کو بڑی حسرت سے دیکھتا۔ دراصل اس کنارے کے دوسری جانب ایک انتہائی خوبصورت جزیرہ تھا جو دُور سے اور بھی زیادہ دلکش نظر آتا تھا۔ ننھا خرگوش روز کنارے پر کھڑا ہو کر اس خوبصورت جزیرے کی طرف دیکھتا اور دل ہی دل میں کہتا۔

"کاش! میں کسی طرح اس جزیرے میں پہنچ جاؤں!"

مصیبت یہ تھی کہ اس جزیرے تک پہنچنے کے لئے سمندر کا ایک حصہ پار کرنا ضروری تھا اور اسے عبور کرنا خرگوش کے بس سے باہر تھا۔ وہ نہ تو تیر سکتا تھا اور نہ ہی وہاں کوئی کشتی نظر آتی تھی جس پر بیٹھ کر وہ جزیرے تک پہنچ سکتا۔ اس نے جب اپنے ساتھی خرگوشوں سے اپنی اس تمنا کا اظہار کیا تو سب نے اُس کا مذاق اُڑایا اور کہنے لگے۔

"بیوقوف مت بنو ــــ تمہارا اس جزیرے تک پہنچنا ناممکن ہے۔"

انہوں نے اسے سمجھایا کہ :ــــ

"تم تیر سکتے نہیں ــــ نہ یہاں کوئی کشتی ہے اور نہ جانے کا راستہ۔ پھر بھلا تم وہاں کیسے جاسکتے ہو۔؟"

ننھا خرگوش بھی یہ تمام باتیں جانتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ وہاں ضرور جانا چاہتا تھا۔ وہ کئی روز تک تجویزیں سوچتا رہا۔ آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور وہ جیسے اُچھل پڑا

"یقیناً۔ یقیناً۔۔۔ اس طرح میں اپنی دِلی تمنا پوری کر سکتا ہوں!"

اس نے اپنے آپ سے کہا اور پھر دوڑا دوڑا سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ وہاں ایک شارک مچھلی اس کی دوست تھی خرگوش نے اسے بلایا اور کہنے لگا۔

"اچھا یہ بتاؤ۔۔۔ تمہارے دوستوں کی تعداد کتنی ہے۔۔۔؟"

جواب میں مچھلی پوچھنے لگی۔

"اس سے تمہارا کیا مقصد ہے۔۔؟"

خرگوش نے جواب دیا۔

"دراصل میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے دوستوں کی تعداد زیادہ ہے یا میرے دوستوں کی۔؟"

اس میں جاننے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔؟ یہ بات ظاہر ہے کہ میرے دوستوں کی تعداد تمہارے دوستوں سے کہیں زیادہ ہے"

شارک مچھلی نے بڑے فخر سے کہا۔ اس پر خرگوش بولا۔

"میں یہ کیسے یقین کر لوں۔۔؟"

اس کے بعد وہ خود ہی کہنے لگا۔

"اچھا آؤ۔۔۔ اس بات کی تصدیق کرنے کیلئے ہم ایک دوسرے کے دوستوں کا شمار کرتے ہیں۔۔۔ اور پہلے تمہارے دوستوں کو گنتے ہیں!"

"مگر میری دوست مچھلیاں تو سب سمندر میں ہیں۔ پھر تم انہیں کیسے گن سکو گے۔؟"

اس پر خرگوش بڑی چالاکی سے کہنے لگا۔

"ایسا کیوں نہ کریں کہ تم اپنی تمام دوستوں کو بلاؤ اور انہیں ایک قطار میں لگا دو!"

اتنا کہہ کر وہ مچھلی کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم اپنی تمام دوستوں کو اس طرح قطار میں لگا دو کہ وہ اس کنارے سے اس جزیرے تک ایک قطار بنا لیں تاکہ میں ایک ایک مچھلی کو آسانی سے گن لوں"

"ٹھیک ہے۔۔۔ مجھے منظور ہے"

شارک مچھلی فوراً راضی ہو گئی اور اس نے سمندر میں سے اپنی دوست مچھلیوں کو بُلا کر کہا۔

"تم سب اس کنارے سے دُور اس جزیرے تک قطار بنالو تاکہ خرگوش تمہاری گنتی کر سکے۔ اس سے میری شرط لگی ہے۔"

جیسے ہی شارک مچھلی نے یہ کہا اس کی تمام دوست مچھلیاں ایک کے ساتھ دوسری، لگ کر پانی میں کھڑی ہو گئیں۔ اور اس طرح کنارے سے جزیرے تک یوں قطار میں کھڑی ہو گئیں کہ ایک پُل سا بن گیا۔ یہ دیکھ کر خرگوش کہنے لگا۔

"لو ـــ اب میں تمہاری دوستوں کو گنتا ہوں۔!"

اس کے بعد وہ قطار میں لگی ہوئی مچھلیوں میں سے، ایک ایک کی پشت پر پاؤں رکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

"ایک ـ دو ـ تین ـ چار ـ پانچ ـ!"

اس طرح وہ گنتی کرتا اور مچھلیوں کی پشت پر کودتا ہوا جزیرے تک جا پہنچا۔ جیسے ہی وہ جزیرے میں پہنچا اُس نے خوش ہوتے ہوئے ایک زوردار قہقہہ لگا کر کہا۔

"اے بیوقوف مچھلی! میں نے تو تمہیں اُلو بنایا ہے۔ دراصل میں اس جزیرے تک پہنچنا چاہتا تھا اور وہ میں پہنچ گیا ہوں ـ میں نے گنتی کے بہانے تمہاری دوست مچھلیوں سے پُل کا کام لیا ہے ـ ہاہاہا۔ ہاہاہا۔!"

جونہی مچھلی نے سُنا، وہ غصّے میں بھنا گئی۔ ابھی خرگوش کنارے پر ہی تھا، اس نے لپک کر اپنی لمبی تھوتھنی سی آگے بڑھائی اور جھپٹ کر خرگوش کی کھال کا ایک حصّہ نوچ لیا۔ "اوہ میں مر گیا ـــ ہائے میں مر گیا ـــ!" خرگوش زور زور سے چیخنے چلّانے لگا۔ اتفاق سے عین اس وقت جزیرے کا بادشاہ اُدھر آنکلا۔ اس نے جب خرگوش کو اس طرح روتے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھنے لگا۔

"اے ننھے خرگوش! تم اس طرح کیوں رو رہے ہو ـ؟ تمہیں کیا ہوا ہے۔؟"

جواب میں خرگوش نے آنسو بہاتے ہوئے اسے اپنی پوری داستان سُنائی اور بتایا کہ اس طرح میں شارک مچھلی کو بیوقوف بنا کر یہاں پہنچا ہوں اور اس نے میری کھال نوچ لی ہے۔ خرگوش کی ساری بات سُن کر جزیرے کا بادشاہ بولا۔

"اگر تم مجھ سے یہ وعدہ کرو کہ آئندہ کسی سے جھوٹ نہیں بولو گے اور نہ ہی کسی کو اس طرح بیوقوف بناؤ گے، تو میں تمہاری کھال واپس دلا سکتا ہوں ـــ؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں ۔۔۔ میں سچا وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا!"

خرگوش کے اس وعدے پر جزیرے کے بادشاہ نے سمندری گھاس نکال کر اس کا ایک بڑا سا گھونسلا بنایا اور پھر خرگوش کو اٹھا کر اس گھونسلے میں لٹا کر کہا۔

"اب تم یہاں سو جاؤ ۔۔۔ تمہاری کھال خود بخود دوبارہ پیدا ہو جائے گی"۔

اور واقعی ہوا بھی یہی ۔۔۔ دوسری صبح جب خرگوش سو کر اٹھا تو اس کے جسم کی تمام کھال بالکل صحیح ہو چکی تھی۔ وہ بھاگا بھاگا جزیرے کے بادشاہ کے پاس گیا اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا۔

" میں آپ کا بہت ممنون ہوں ۔۔۔ میری کھال صحیح ہو گئی ہے اور اب میں بالکل ٹھیک ہوں"

جزیرے کے بادشاہ نے اُسی وقت ننھے خرگوش کو دوبارہ اس کے جنگل میں پہنچا دیا ۔۔۔ اور اس کے بعد کبھی اس نے نہ کسی سے جھوٹ بولا اور نہ کسی کو بیوقوف بنایا۔



دانشمند بوڑھا



کہا جاتا ہے کہ آج سے صدیوں پہلے جاپان کے ایک علاقے میں جب کوئی شخص ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جاتا تھا تو اسے لوگ ایک پہاڑی گھاٹی میں پھینک آتے تھے۔

جاپان کے کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا اور اس کی عمر ساٹھ سال کی ہوگئی تھی چنانچہ وہاں کے حاکم نے حکم دیا کہ یہ کسان اپنی عمر کو پہنچ گیا ہے اسلئے اسے لے جاکر پہاڑی گھاٹی میں پھینک دیا جائے۔ کسان کے بیٹے کا جی تو نہیں چاہتا تھا کہ اپنے بوڑھے باپ کو پہاڑوں میں پھینک آئے لیکن حاکم کا حکم تھا۔ وہ مجبور تھا۔ اس نے باپ کو اپنے کندھوں پر اُٹھایا اور اسے لیکر پہاڑوں کی طرف چل دیا۔

نوجوان اپنے باپ کو اُٹھائے پہاڑوں میں چلا جا رہا تھا۔ اس کا باپ اس کے کندھوں پر بیٹھا تھا اور راستے میں آنے والے درختوں کی شاخیں توڑ توڑ کر پیچھے پھینکتا جا رہا تھا۔ جب نوجوان نے اسے اس طرح ٹہنیاں پھینکتے ہوئے دیکھا تو پوچھنے لگا

"ابا! یہ تم کیا کر رہے ہو۔؟ اس طرح درختوں کی شاخیں توڑ توڑ کر کیوں پھینکتے آ رہے ہو۔؟"

جواب میں اس کا باپ بولا۔

"میں راستے میں شاخیں اس لئے پھینکتا آ رہا ہوں تاکہ جب تم مجھے پھینک کر واپس جاؤ تو راستہ نہ بھول جاؤ"

بیٹے نے جب بوڑھے باپ کی یہ بات سُنی تو اپنے دل میں سوچنے لگا۔ میرا باپ کسقدر رحم دل ہے، اسے مجھ سے کتنی محبت ہے، میں اسے کیسے پہاڑوں میں پھینک دوں ۔۔؟ چنانچہ اس نے اسے پہاڑی گھاٹی میں پھینکنے کا ارادہ ترک کر دیا اور خاموشی سے واپس گھر لے آیا۔ گھر آکر اس نے باپ کو مکان کے چھتے میں چھپا دیا تاکہ کسی کو اس بات کا علم نہ ہو سکے ۔

اس بات کو کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ وہاں کے حاکم نے گاؤں کے تمام کسانوں کو طلب کیا۔ جب وہ سب جمع ہو گئے تو حاکم کہنے لگا۔

"تم میں سے ہر ایک کو حکم دیا جاتا ہے کہ ایک ایسا رسّا لاؤ جو راکھ سے بنا گیا ہو!"

حاکم کی یہ عجیب و غریب بات سُن کر تمام لوگ پریشان ہو گئے۔ سب لوگ سوچنے لگے کہ کبھی راکھ سے بھی رسّا بنا گیا ہے ۔؟ مگر یہ حاکم کا حکم تھا، بیچارے خاموشی سے حیران و پریشان گھروں کو چلے آئے۔ نوجوان کسان جس نے اپنے بوڑھے باپ کو مکان کے چھتے میں چھپا رکھا تھا، وہ بھی اپنے گھر آ گیا ۔۔ اور اپنے باپ سے کہنے لگا۔

"آج حاکم نے حکم دیا ہے کہ سب راکھ کا رسّا بُن کر لائیں۔ بھلا راکھ سے بھی کسی نے رسّا بُنا ہے ۔؟ یہ کیسے ممکن ہے ۔؟"

اس کا باپ اگرچہ بوڑھا تھا مگر انتہائی ذہین اور تجربہ کار تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو بتایا۔

"تم ایک رسّا اس طرح بُنو کہ اس کی گرہیں سختی سے کسی ہوئی ہوں۔ پھر اس رسّے کو ایسے جلاؤ کہ وہ آہستہ آہستہ راکھ میں تبدیل ہو جائے۔ جب جل جائے تو اسے بڑی احتیاط سے حاکم کے پاس لے جاؤ۔"

نوجوان باپ کی بات سُن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے اسی طرح کیا اور پھر جلے ہوئے رَسّے کو بڑی احتیاط سے حاکم کے پاس لے گیا کہ حضور راکھ کا رَسّا حاضر ہے۔ چونکہ گاؤں کا اور کوئی آدمی راکھ سے بنا ہُوا رَسّا نہیں لایا تھا اسلئے حاکم نے نوجوان کی بہت تعریف کی اور اس کی ذہانت کی داد دی۔

چند روز کے بعد حاکم نے پھر گاؤں کے تمام لوگوں کو طلب کیا اور کہا۔

"تم میں سے ہر شخص گھونگے کا ایسا خول لائے جس میں سے دھاگا گزرا ہوا ہو"۔

تھا۔ نوجوان کسان نے گھر آکر پھر اپنے باپ سے کہا۔

"آج حاکم نے سب کو حکم دیا ہے کہ گھونگے کا ایسا خول لایا جائے جس میں سے دھاگا گزرا ہوا ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟"

جواب میں اس کے بوڑھے باپ نے بتایا۔

"گھونگے کا ایک خول لو اور اس کا مخروطی حصہ روشنی کی طرف کر دو۔ پھر ایک دھاگا لیکر اس کے سرے پر چاول کا ایک ٹکڑا لگا دو۔ اب یہ چاول لگے دھاگے کا سِرا چیونٹی کے مُنہ میں دیکر اسے رینگتے ہوئے گھونگے کے خول کے منہ میں داخل کر دو۔ اس طرح چیونٹی روشنی کی طرف جائے گی اور دھاگا گھونگے سے گزر جائے گا"۔

نوجوان نے یہ ترکیب سُنی تو خوشی میں اچھل پڑا۔ اس نے باپ کی ہدایت پر عمل کیا اور اس طرح گھونگے کے خول میں سے دھاگا گزار کر حاکم کے پاس لے گیا۔ اس بار حاکم پہلے سے بھی زیادہ خوش ہوا اور اسے داد دیتے ہوئے بولا۔

اے نوجوان! تم نے یہ دونوں مشکل ترین کام کیسے کر لئے۔؟"

جواب میں نوجوان دونوں ہاتھ باندھ کر بولا۔

"اگر آپ مجھے معاف کر دیں تو میں سچ سچ ساری بات عرض کر دوں۔؟"

"حضور! میرا باپ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ گیا تھا۔ میں اسے پہاڑوں کے درمیان گھاٹی میں پھینکنے گیا لیکن مجھ سے یہ برداشت نہ ہو سکا کہ میں اسے پھینک کر چلا آؤں۔ میں اسے اپنے ساتھ گھر لے آیا اور گھر میں چھپا دیا۔ اب جو دو چیزیں آپ نے طلب کی تھیں، وہ بہت مشکل تھیں۔ میں نے اپنے بوڑھے باپ سے پوچھا تو اس نے مجھے ترکیب بتائی۔ چنانچہ میں یہ دونوں چیزیں آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں!"

اتنی بات کہہ کر نوجوان بڑی عاجزی سے بولا۔

"حضور! میں نے سچ سچ ساری بات آپ کو بتا دی ہے"

حاکم نوجوان کی بات سن کر بہت متاثر ہوا۔ اس نے اپنے آپ سے کہا، بوڑھے لوگ بہت ذہین اور تجربہ کار ہوتے ہیں۔ انہیں پہاڑوں میں پھینکنے کی بجائے ان کی پوری پوری حفاظت کرنی چاہیئے۔ اور پھر اسی روز حاکم نے اعلان کر دیا کہ۔

"آج سے ساٹھ سال کی عمر کو پہنچنے والے بوڑھے لوگوں کو پہاڑ کی گھاٹی میں پھینکنا بند کر دیا جائے۔ اور ان کی پوری پوری دیکھ بھال کی جائے تاکہ ان کی ذہانت اور تجربے سے لوگ فائدہ اٹھا سکیں"



سب سے بڑی کہانی



ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ ہیگو، ست سوما، اور مینو کے رہنے والے تین آدمیوں نے ایسے کی زیارت کا ارادہ کیا اور سفر پر روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک ہوٹل آیا تو وہ وہاں رک گئے۔ جب وہ ہوٹل میں بیٹھنے لگے تو مسئلہ یہ آپڑا کہ مرکزی کرسی پر کون بیٹھے۔؟ اس کرسی پر بیٹھنا گویا زیادہ عزت کی نشانی تھی اس لئے ان میں سے ہر شخص اس پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ جب وہ اس بات کا فیصلہ نہ کر سکے تو ان میں سے ایک کہنے لگا۔

"آؤ۔ ہم باری باری کہانی سناتے ہیں۔ ہم میں سے جو سب سے بڑی کہانی سنائے گا وہ گویا جیت گیا۔ اور وہی اس کرسی پر بیٹھے گا۔"

"بالکل ٹھیک ہے ۔۔۔ یہ تجویز ہمیں منظور ہے"

دوسرے دونوں فوراً راضی ہو گئے۔

"اچھا۔ اب تم اپنی کہانی سناؤ۔۔۔؟"

ایک بولا جس پر دوسرا کہنے لگا۔

"نہیں۔ پہلے تم سناؤ!"

چنانچہ وہ تینوں اس بات پر بحث کرنے لگے کہ پہلے کہانی کون سنائے۔؟ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے اصرار کر رہا تھا کہ وہ پہلے کہانی سنائے ۔۔۔ اس طرح جب ان میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو ایک کہنے لگا۔

"اس طرح تو کبھی بات آگے نہ بڑھ سکے گی۔ لو فیصلے کے لئے کسی اور کو بلاتے ہیں"

پھر اس نے ہوٹل میں کام کرنے والی ایک عورت کو بلایا اور اس سے بولا۔

"ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ کہانی سنانے کا مقابلہ کریں اور جو سب سے بڑی کہانی سنائے گا وہ جیتنے والا ٹھہرے مگر ہم میں سے کوئی بھی پہلے کہانی سنانے پر تیار نہیں ہو رہا"

اتنا کہہ کر اس نے عورت سے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

"تم ایسے کرو کہ کاغذ کے تین پرزے لو اور ہر ایک کاغذ پر ایک سے تین تک نمبر تحریر کر دو۔ ہم تین ہیں اور تم ایک، دو اور تین کے ہندسے لکھ دو اور پھر ان کی لاٹری نکالو۔ اس طرح جس کا نمبر آئے گا اسے پہلے کہانی سنانا ہوگی۔"

اس عورت نے ایسے ہی کیا۔ کاغذ کے تین پرزے لیے۔ ان پر ایک، دو تین نمبر تحریر کیے اور کاغذ گول کر کے ان کے پاس لے آئی۔

"لو، اب تم میں سے کوئی کاغذ کا ایک پرزہ اٹھا لے۔؟"

عورت نے کہا مگر وہ تینوں پھر ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"تم لاٹری نکالو!"

"نہیں تم نکالو!"

"میں کیوں نکالوں ــــ تم نکالو!"

اس طرح ایک بار پھر ان میں تکرار شروع ہوگئی۔ آخر ہیگو کا رہنے والا آدمی کہنے لگا۔

"اچھا چلو ــ پہلے میں کاغذ اٹھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور کاغذ کے پرزوں میں سے ایک اٹھا لیا۔

"کیا نمبر ہے ــ ہمیں دکھاؤ۔ ؟"

دوسرے دونوں بے صبری سے پوچھنے لگے اور جب اس نے کاغذ کھول کر دیکھا تو اس پر تین نمبر تحریر تھا۔ اس کے بعد ست سوما کے آدمی نے کاغذ اٹھایا اور کھولا تو اس پر ایک نمبر لکھا ہوا تھا۔

"اب کاغذ اُٹھانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر صورت میں وہ دو نمبر والا ہوگا"
ان دونوں نے مینو کے آدمی سے کہا۔ اور پھر ہیگو کا آدمی ست سوما کے آدمی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"تمہارا ایک نمبر ہے۔ پہلے تم اپنی کہانی شروع کرو"
اب وہ کیسے انکار کر سکتا تھا۔؟ چنانچہ اس نے کہانی سُنانا شروع کی۔ کہنے لگا۔

"ست سوما میں کوئی غیر معمولی بڑی بات نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہاں ایک کافور کا بہت بڑا درخت ہے جو اندر سے کھوکھلا ہے۔ اس کے اندر ایک اتنا بڑا کمرہ ہے کہ اس میں ایک سو چٹائیاں بچھائی جا سکتی ہیں"

"یہ تو بہت بڑی اور غیر معمولی بات ہے"
دوسرے دونوں نے تعجب سے کہا۔ اور اب مینو کے آدمی کی باری تھی کیونکہ اس، کا دوسرا نمبر تھا۔ چنانچہ اس نے کہانی کا آغاز کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"ملک مینو میں خاص طور پر کوئی بہت بڑی چیز نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہاں ایک بہت بڑا بیل ہے۔"

"وہ کتنا بڑا ہے۔؟"
دونوں جلدی سے اس کی بات کاٹ کر پوچھنے لگے۔ اس پر مینو کا آدمی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"یہ بیل اتنا بڑا ہے کہ اگر یہ ملک مینو میں کھڑا ہو تو وہیں کھڑے کھڑے جھیل بیوا سے پانی پی سکتا ہے جو ملک اومی میں واقع ہے۔ اور یہ ایک ہی گھونٹ میں پوری جھیل خالی کر سکتا ہے"

"واقعی یہ بہت بڑی اور غیر معمولی کہانی ہے!"
دوسرے دونوں نے بڑی حیرانی سے کہا۔ اب باری ہیگو کے آدمی کی تھی۔ وہ دل

ہی دل میں اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"ان دونوں نے ایسی اچھی اور عجیب و غریب کہانیاں سُنادی ہیں، اب میرے لئے ان سے بہتر کہانی سُنانا مشکل ہو رہا ہے"

اتنے میں دوسرے دونوں کہنے لگے۔

"ہم تمہاری کہانی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ؟"

"اچھا تو سُنو ــــ اب میں کہانی سُناتا ہوں"

ہیگو کے آدمی نے کچھ سوچتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"ملک ہیگو میں کوئی خاص بڑی چیز نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہاں دیودار کے دو درخت ہیں ــــ!"

"دیودار کے یہ درخت کتنے بڑے ہیں ــــ؟"

دوسرے دونوں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے جلدی سے دریافت کیا۔ اس پر ہیگو کا آدمی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"یہ دیودار کے دو درخت اسقدر تیزی سے بڑے ہوئے کہ دو تین برس کے عرصہ ہی میں بڑھ کر بادلوں سے بھی اوپر چلے گئے"

"اوہ ــــ واقعی ــــ؟"

دونوں کے منہ کھُلے کے کھُلے رہ گئے۔ پھر وہ پوچھنے لگے۔

"لیکن یہ اس قدر اُونچے کیوں ہو گئے ــــ؟"

جب انہوں نے یہ سوال کیا تو ہیگو کے آدمی نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"دراصل ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم کافور کے اس درخت کو کاٹیں جو ملک سَت سوما میں واقع ہے۔ اسے کاٹ کر اس سے ایک ڈھول تیار کریں۔ پھر اس بیل کی کھال اُتاریں جو ملک میںو میں ہے، اور یہ کھال اس ڈھول پر مڑھ دیں۔ اس کے بعد

دیودار کے یہ دونوں ڈھول بجانے کے لئے ڈنڈوں کے طور پر استعمال کریں۔ اسی
لئے یہ اسقدر بڑے ہو گئے ہیں۔

جیسے ہی اس نے یہ بات کہی دوسرے دونوں نے سر جھکا لیا اور ہیگو کا رہنے والا
اس کرسی پر بیٹھ گیا جس کے لئے یہ سارا جھگڑا چلا تھا۔ واقعی وہ مینو اور سٹسوما کے
رہنے والوں سے زیادہ لائق اور اُس کرسی کا حقدار تھا۔



نارے کے ہیٹ کا معبد



جاپان میں کسی جگہ ایک گاؤں آباد ہے۔ اس گاؤں کا نام "کاسا" ہے لیکن لوگ اسے نارے کے ہیٹ کا گاؤں کہتے ہیں۔ یہاں ایک معبد ہے جس کا نام "ریوفوکو" ہے اس معبد کی عمارت جنگ کے دوران جل گئی تھی جس کی وجہ سے اس کی چھت تباہ ہو گئی تھی۔ چنانچہ یہاں کے دیوتا کا مجسمہ ایک طویل عرصہ سے کھلی چھت میں پڑا ہوا تھا۔ دن کے وقت اس پر شدید دھوپ پڑتی تھی اور رات کو وہ اوس میں بھیگ جاتا تھا۔

یہاں سے قریب ہی نارومی قصبہ آباد تھا جہاں ایک نوجوان لڑکی رہتی تھی۔ یہ لڑکی بہت حسین تھی مگر بد قسمتی سے اس کے باپ پر دن بُرے آگئے اور وہ مفلسی سے دوچار ہو گئے۔ وہ بیچارے اسقدر غریب ہو گئے تھے کہ اکثر اوقات ان کے پاس کھانے کو چاول تک نہیں ہوتے تھے ان پر فاقوں تک کی نوبت آگئی تھی اور ان کے پاس ایک ریو (جاپانی سکہ) تک نہیں تھا جس سے لڑکی کی شادی کی جا سکتی۔ ادھر لڑکی جوان ہو چکی تھی اور اس کا باپ فکر مند تھا لیکن کیا کر سکتا تھا۔ مجبوری نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ یہ لڑکی جسقدر حسین تھی اس سے کہیں زیادہ رحم دل اور نیک تھی۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب معبد ابھی جلا نہیں تھا اور اس کی عمارت صحیح سلامت تھی۔ یہ لڑکی بڑی باقاعدگی سے معبد میں آتی تھی اور دیوتا کے قدموں میں حاضر ہو کر دعا مانگتی تھی تاکہ ان کے دن پھر جائیں۔ وہ ہر روز معبد میں آتی تھی اور دیوتا کے سامنے گڑگڑا کر عرض کرتی۔

"اے دیوتا ــــ ہماری فریاد سن۔ ہمارے پاس کھانے تک کو نہیں ہے ــ ہم پر رحم کر!"

وہ رو رو کر فریاد کرتی۔

"اے دیوتا۔ مجھ پر رحم کر ــــ مجھے اچھا شوہر دلا دے تاکہ میں سُکھ چین کی زندگی گذار سکوں!"

پھر جب اس معبد میں آگ لگنے سے اس کی چھت گر گئی اور یہ کھنڈر بن کر رہ گیا تو یہاں

دعائیں اور منتیں مانگنے والوں نے آنا بند کر دیا۔ وہ لوگ جو دیوتا سے بڑی عقیدت رکھتے تھے وہ بھی اس ویران عمارت میں آنا بند ہو گئے تھے مگر لڑکی اب بھی بڑی باقاعدگی سے یہاں آتی تھی۔ وہ جس طرح معبد کی تباہی سے پہلے یہاں آتی تھی اسی طرح اب بھی ہر روز بڑی باقاعدگی کے ساتھ آتی اور دیوتا کے مجسمے کے حضور حاضر ہوتی۔ اس کی عقیدت، اور محبت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ آج بھی اسی طرح دیوتا کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر سر کو جھکا لیتی اور دونوں ہاتھ باندھ کر عرض کرتی۔

"اے اچھے دیوتا — میری فریاد سن لے۔ ہماری حالت پر رحم کر۔!"

ایک روز کا ذکر ہے۔ لڑکی حسبِ معمول معبد میں آئی اور دیوتا کے سامنے بیٹھ کر دعا مانگنے لگی۔ اتنے میں اچانک بارش شروع ہو گئی۔ لڑکی نے سر اٹھا کر دیکھا تو دیوتا کا مجسمہ بھیگ رہا تھا۔ اس وقت لڑکی ناڑ کا ہیٹ پہنے ہوئے تھی اسلئے بارش سے محفوظ تھی۔ ناڑ کا ہیٹ چونکہ بڑا تھا اس لئے وہ بھیگ نہیں رہی تھی۔ جیسے ہی اس نے دیوتا کے مجسمے کو بھیگتے ہوئے دیکھا، دل میں سوچنے لگی۔

"یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ دیوتا بھیگ رہا ہے اور میں ہیٹ کی وجہ سے بارش سے محفوظ ہوں!"

اس نے ایک لمحے کے لئے ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں اور پھر جلدی سے اپنے سر سے ناڑ کا ہیٹ اُتار کر دیوتا کے سر پر رکھ دیا۔

"اب ٹھیک ہے — اس طرح دیوتا بھیگنے سے محفوظ ہو جائے گا"

وہ اپنے دل میں مطمئن ہو گئی اور پھر سے مجسمے کے سامنے سر جھکا کر عبادت کرنے لگی۔ اب عالم یہ تھا کہ سر پر ناڑ کا ہیٹ ہونے کی وجہ سے دیوتا کا مجسمہ بھیگنے سے محفوظ ہو گیا تھا مگر لڑکی ننگے سر ہونے کے سبب بھیگ رہی تھی۔ وہ بھیگ تو رہی تھی تاہم اس کی عقیدت اور محویت میں کوئی فرق نہیں آنے پایا تھا۔ وہ بڑی خاموشی اور محویت میں اس وقت بھی مجسمے کے سامنے سر جھکائے، آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا۔ جب یہ لڑکی دیوتا کے سامنے بیٹھی تھی عین اس وقت خوش قسمتی سے کسی شہر کے شاہی حاکم کا اس طرف سے گذر ہوا۔ وہ اس وقت نوکروں چاکروں کے ساتھ کیوٹو جا رہا تھا۔ جب وہ معبد کے کھنڈر کے سامنے سے گذر رہا تھا تو اس کی نظر لڑکی پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ دیوتا کے مجسمے کے سر پر ناڑ کا ہیٹ ہے اور لڑکی ننگے سر بارش میں بھیگ رہی ہے۔ وہ کھڑا ہو گیا اور تعجب سے سوچنے لگا۔

"اس لڑکی کو دیوتا سے اسقدر محبت و عقیدت ہے کہ خود بھیگ رہی ہے مگر دیوتا کو بھیگنے سے بچا رکھا ہے۔؟"

اس نے اسی وقت اپنے خاص خادم کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔
"اس لڑکی کے پاس جاؤ اور اس سے دریافت کرو کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے۔؟ اپنا ہیٹ دیوتا کے مجسمے کے سر پر رکھ دیا اور خود بارش میں بھیگ رہی ہے۔؟"
خادم اپنے آقا کا حکم پاتے ہی فوراً لڑکی کے پاس گیا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
"اے لڑکی۔۔۔ ؟ تم نے ایک پتھر کے مجسمے کے سر پر اپنا ہیٹ کیوں رکھ دیا ہے اور خود بھیگ رہی ہو۔ ؟ تمہیں شاید نہیں معلوم کہ یہ تو محض ایک پتھر ہے جسے نہ بارش کا احساس ہو سکتا ہے اور نہ دھوپ کی خبر ہے۔۔؟"
جواب میں لڑکی نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا۔ بڑی حیرانی سے ایک نظر خادم پر ڈالی اور پھر دیوتا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
"اگر یہ بات ہے تو اس کے کانوں میں میری دعا کیسے جا سکتی ہے۔۔؟ یہ میری فریاد کیسے سنے گا۔!"
اس نے یہ کہا، دیوتا کے مجسمے سے اپنا ہیٹ اتارا اور اسے اپنے سر پر رکھ کر وہاں سے چلی گئی۔
لڑکی کے جانے کے بعد خادم نے واپس آکر اپنے آقا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔
"آپ کے حکم کے مطابق میں نے لڑکی سے دریافت کیا کہ وہ ایک پتھر کے مجسمے کے سر پر اپنا ہیٹ رکھ کر خود کیوں بھیگ رہی ہے۔۔ ؟ میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ ۔۔۔ تمہیں شاید نہیں معلوم کہ یہ تو محض ایک پتھر ہے جسے نہ بارش کا احساس ہو سکتا ہے اور نہ دھوپ کی خبر ہے۔۔۔۔!"
"مگر اس نے تمہیں کیا جواب دیا۔۔۔۔ ؟"
حاکم نے قدرے بے صبر ہو کر اس کی بات کاٹ دی۔
"میں یہی عرض کر رہا ہوں ۔۔۔۔!"
خادم آنکھیں جھکا کر پھر سے عرض کرنے لگا۔
"اس نے میری بات سن کر کہا۔ اگر یہ بات ہے تو اس کے کانوں میں میری دعا کیسے جا سکتی ہے۔؟ یہ میری فریاد کیسے سنے گا۔ ؟ اس نے یہ کہا اور اپنا ہیٹ لیکر وہاں سے چلی گئی۔"
جیسے ہی حاکم نے یہ بات سنی اس نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔
"حقیقت یہ ہے ۔ میں نے بڑے سے بڑے عقلمند سے اس سے زیادہ عقلمندی کی بات نہیں سنی۔ دراصل یہ مجسمہ نہیں ہے بلکہ ایک علامت ہے جسے ہم اپنی عبادت کے لئے استعمال کرتے ہیں چنانچہ اس لڑکی کا ہیٹ اس کے پیار اور عقیدت کی علامت ہے جس سے وہ آسمانی دیوتا کو خوش کرنا چاہتی تھی۔"

اس کے بعد وہ لمحہ بھر کے لئے خاموش ہوگیا اور پھر اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"میرے بیٹے کے لئے اس لڑکی سے اچھی اور ذہین بیوی نہیں مل سکتی"۔

جیسے ہی حاکم کیوٹو پہنچا اس نے اسی وقت لڑکی کے باپ کے پاس اپنے خادم بھیجے اور اپنے بیٹے کے لئے لڑکی کا رشتہ مانگا جو عنقریب صوبے کا حاکم بننے والا تھا۔ بھلا لڑکی کے باپ کو کیا انکار ہوسکتا تھا؟ اس نے خوشی خوشی اپنی بیٹی کے لئے حاکم کا رشتہ منظور کرلیا۔ اور اس طرح اس غریب مگر حسین لڑکی کی شادی حاکم کے بیٹے سے ہوگئی۔ اس نیک اور رحم دل لڑکی کی دعا کا یہی جواب تھا۔

پھر جب اس لڑکی کا نوجوان شوہر صوبے کا حاکم بنا تو اس نے اس معبد کو از سرِ نو تعمیر کرایا اور اس میں طرح طرح کے قیمتی تحائف نذر کئے۔ اس کے بعد اس نے اس معبد کو اپنی اولاد کے لئے خاندانی عبادت گاہ قرار دے دیا، جو آج تک اسی خاندان کی سرپرستی میں ہے۔ یہاں دیوتا کا جو مجسمہ ہے اس کے سر پر ہمیشہ ناڑ کا ہیٹ ہوتا ہے جو تسموں کے پاس سے جلا ہوا ہوتا ہے۔ یہ ہیٹ بل کھائے ہوئے مجسمے پر روشن بتی پر جھکا ہوا نظر آتا ہے۔ نزدیک و دور کے لوگ اسے "ناڑ کے ہیٹ کا معبد" کہہ کر پکارتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس گاؤں کا نام بھی اب "ناڑ کے ہیٹ کا گاؤں" پڑ گیا ہے۔



لوہے کا ہیٹ



یہ بات آج سے صدیوں پُرانی ہے اور اس کا تعلق کیوٹو کی عبادت گاہ رکنا۔ جی سے ہے۔ اُس زمانے میں کیوٹو جاپان کا دارالحکومت ہوتا تھا اور رکنا۔ جی یہاں کا مشہور معبد تھا۔ اس معبد میں بہت سے راہب تھے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہاں بہت سے زیرِ تربیت ایسے لڑکے بھی تھے جن کو آگے چل کر راہب بننا تھا۔ یہ سب معبد کے راہبوں کی زیرِ نگرانی تعلیم و تربیت حاصل کر رہے تھے۔

ایک بار ہوا یہ کہ ایک لڑکے کی تعلیم و تربیت مکمل ہو گئی اور اسے راہب کے منصب پر فائز کر دیا گیا۔

جب وہ راہب مقرر ہوا تو عبادت گاہ کے تمام لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ۔

"ہمیں نئے راہب کی خوشی میں کوئی تقریب منعقد کرنی چاہیئے۔؟"

اس بات سے سبھی نے اتفاق کیا اور طے یہ پایا کہ۔

"اس کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا جائے۔!"

چنانچہ نیا راہب مقرر ہونے کی خوشی میں عبادت گاہ کے اندر ایک بہت بڑی دعوت کا انتظام کیا گیا جسمیں قسم قسم کے کھانوں کے ساتھ کئی طرح کے مشروب بھی رکھے گئے اور اس میں جاپانی شراب "ساکے" بھی رکھی گئی تھی۔ دعوت کے روز عبادت گاہ کو خوب سجایا گیا اور جب تمام مہمان جمع ہو گئے تو نئے راہب کو پھول پہنائے گئے اور نیک تمناؤں کا اظہار کیا گیا۔

دعوت شروع تھی اور تمام لوگ خوب کھا پی رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ باتیں بھی ہو رہی تھیں اور ہنسی مذاق بھی ہو رہا تھا۔ نیا راہب کچھ تو اپنی طبیعت کی وجہ سے اور کچھ خوشی اور زیادہ "ساکے" پی جانے کی وجہ سے بہت چہک رہا تھا۔ وہ بات بات پر ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ باتوں باتوں میں نہ جانے اس کے جی میں کیا آئی کہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر ناچنے لگا۔ پھر خوشی میں ناچتے ناچتے اس نے قریب ہی پڑا ہوا لوہے کا ایک پتیلا قسم کا برتن اُٹھایا، اسے اُلٹا کر کے اپنے سر پر رکھ لیا اور پھر ناچنے لگا۔ اس کی حرکات کی وجہ سے لوہے کا یہ برتن سرکتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اس کا سر برتن کے اندر چلا گیا اور برتن اس کی ناک

پر آکر اٹک گیا پھر اوپر سرک گیا اور ٹھوڑی تک اس کا پورا چہرہ برتن کے اندر چھپ گیا۔ راہب چونکہ اس وقت انتہائی طور پر خوش تھا اور اِدھر اُدھر ناچ کود رہا تھا اس لئے اسے اس بات کا احساس نہ ہو سکا۔ دعوت میں موجود لوگ اور اس کے ساتھی بھی اس کی حرکتوں سے خوش ہو رہے تھے۔ اس کا سر برتن کے اندر تھا اور اس وقت وہ بغیر دیکھے تیزی سے ناچ رہا تھا۔ اس کی یہ مضحکہ خیز صورت اور حرکت دیکھ کر سارے لوگ لطف اندوز ہو رہے تھے۔

آخر دعوت کا یہ ہلّا گلّا ختم ہوا اور نیا راہب بھی تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ اب اس نے دونوں ہاتھوں سے برتن میں سے اپنا سر نکالنے کی کوشش کی تو اس کا سر بُری طرح پھنس چکا تھا۔ وہ برتن کو اوپر کی طرف کھینچنے لگا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے کان اور ناک کٹ رہے ہوں۔ پہلے تو اس نے اس بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا لیکن اب اسے بڑی فکر ہوئی۔ اس نے پھر قدرے زیادہ زور لگا کر برتن نکالنا چاہا تو وہ درد سے بلبلا اُٹھا اور چیخ چیخ کر پکارنے لگا۔

"ارے میرا سر پھنس گیا۔ میرا سر برتن سے نکالو۔۔۔!"

جونہی اس نے زور زور سے یہ کہا سب لوگ اس کی طرف متوجہ تو ہو گئے لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔۔۔؟ کیونکہ اس کا پورا چہرہ برتن میں پھنسا ہوا تھا۔ اسلئے آواز اندر ہی اندر گونج رہی تھی۔ یوں سُنائی دے رہا تھا جیسے وہ محض مختلف آوازیں نکال رہا ہے۔ تاہم جب اس نے مسلسل شور کیا۔

"مجھے بچاؤ۔ میری مدد کرو۔۔۔ میرا سر باہر نکالو۔۔۔!"

تو اس کے دو ایک ساتھی آگے بڑھے اور برتن کھینچ کر اس کا سر باہر نکالنے لگے۔ ان کا زور لگانا تھا کہ راہب بُری طرح چیخنے لگا۔

"اوہ میں مر گیا۔۔۔ اوہ میرے کان۔۔۔ میری ناک کٹ رہی ہے۔ مجھے اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔۔۔!"

جب اس نے زیادہ شور کیا تو جو لوگ برتن کھینچ کر اس کا سر باہر نکال رہے تھے وہ رُک گئے اور آپس میں سوچنے لگے کہ:۔

"کیا کرنا چاہیئے۔۔۔ اس کا سر کیسے باہر نکالیں۔۔۔؟"

اُدھر نیا راہب تھا کہ بُری طرح تلملا تلملا کر کہہ رہا تھا۔

"خدا کے لئے میری مدد کرو اور جلدی برتن سے میرا سر نکالو۔"

یہ دیکھ کر لوگوں نے اور زیادہ زور لگا کر برتن کو کھینچنے کی کوشش کی لیکن برتن تو بُری طرح پھنسا ہوا تھا۔

اور انہیں یقین تھا کہ اگر اسے اس طرح کھینچا گیا تو نئے راہب کے کان اور ناک باقی نہیں رہیں گے۔ یہ دیکھ کر وہ سب آپس میں مشورے کرنے لگے۔

"ہمیں پوری طاقت سے برتن کو کھینچنا چاہیے۔ !"

کسی نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"اس طرح راہب کے کانوں اور ناک کی خیر نہیں۔ !"

کوئی دوسرا بول پڑا۔

"مگر اور کوئی چارہ بھی تو نہیں۔ بہر صورت برتن سے سر کو تو نکالنا ہی ہے اور اس کا یہی ایک طریقہ ہے۔ !"

تیسرے نے اپنی رائے پیش کی۔ اس طرح سب لوگ اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے کہ اچانک ان میں سے ایک بول پڑا۔

"میرے ذہن میں ایک شاندار تجویز آئی ہے۔ ؟"

"وہ کیا۔ جلدی بتاؤ تاکہ راہب کو نجات دلائی جا سکے۔ ؟"

لوگوں نے بے تاب ہو کر اس شخص سے پوچھا۔ اس پر وہ آدمی کہنے لگا۔

"ہمیں برتن توڑ کر سر کو باہر نکالنا چاہیے۔ !"

"مگر یہ تو لوہے کا ہے۔ بڑا مضبوط ہو گا۔ !"

"جیسا بھی ہو۔ اس کو توڑنا ضروری ہے۔ !"

اس کے ساتھ ہی اس آدمی نے ہتھوڑا پکڑ کر برتن پر مارنا شروع کر دیا اس سے برتن تو کیا ٹوٹتا البتہ راہب کی حالت غیر ہو گئی۔ اس کے سر پر ہتھوڑے کی چوٹیں لگیں تو وہ اور زیادہ چیخنے لگا۔ یہ دیکھ کر اس آدمی نے ہتھوڑے سے چوٹیں مارنا بند کر دیں اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"اسے کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلنا چاہیے۔ ؟"

اس بات پر سب نے اتفاق کیا لہٰذا وہ سب راہب کو اٹھا کر ایک ایسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے جو جراحی میں بھی ماہر تھا۔ جیسے ہی ڈاکٹر نے اسے دیکھا، وہ حیران ہو کر بولا۔

"یہ تو عجیب و غریب مریض ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں آج تک کوئی ایسا مریض نہیں دیکھا۔"

اس نے چند لمحوں تک اس کا جائزہ لیا اور پھر کہنے لگا۔

"میں آپ لوگوں کی مدد کرنے سے معذور ہوں۔ !"

جب ڈاکٹر نے بھی ان کی مدد کرنے سے انکار کر دیا تو وہ راہب کو اُٹھا کر واپس عبادت گاہ میں لے گئے اور اسے ایک چارپائی پر لٹا دیا۔ اب عالم یہ تھا کہ وہ چارپائی پڑا ہوا تھا اور اس کے عزیز اور رشتہ دار پاس پریشان کھڑے تھے۔ اس کی ماں بیچاری تو بُری طرح رو رہی تھی۔ اس نے لوگوں سے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی کرو مگر میرے بیٹے کا سر برتن سے نکال دو۔۔۔!"

اس وقت ارد گرد کھڑے دوسرے لوگ بھی یہی کہہ رہے تھے

"اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔۔ ہمیں زور لگا کر برتن کو الگ کرنا چاہیئے۔ اس کی زندگی بچانے کا صرف یہی طریقہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ یہ اسی طرح جان دیدے گا۔"

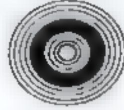
نا چار دو چار طاقتور آدمیوں نے اپنی پوری طاقت صرف کر کے برتن کو اوپر کی طرف کھینچنا شروع کر دیا راہب چیختا چلاتا رہا مگر انہوں نے اس کی پروا نہ کی اور آخر تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد برتن میں سے راہب کا سر نکل آیا مگر اس طرح کہ اس کا چہرہ بُری طرح چھل گیا تھا اور کان اور ناک لہولہان ہو رہے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد یہ راہب ایک طویل عرصہ تک بستر پر پڑا رہا۔ وہ اپنے زخموں کو دیکھ دیکھ کر اپنی حرکت پر پچھتاتا رہا اور دل میں عہد کرتا رہا۔

"آئندہ کبھی ایسی حماقت نہیں کروں گا"



آخری بات



"جاپانی لوک کتھائیں" میں جاپان کی جو لوک کہانیاں شامل ہیں، وہ انگریزی کے توسط سے اردو میں منتقل کی گئی ہیں۔ ان میں سے بیشتر کے اردو نام قریب قریب وہی ہیں جو انگریزی میں تھے۔ تاہم جہاں لفظی ترجمے سے بات نہیں بنتی تھی وہاں کہانی کے متن کو پیش نظر رکھتے ہوئے اردو عنوان دے دیا گیا ہے۔ ذیل میں ان کہانیوں کے اردو عنوانات کے ساتھ وہ انگریزی نام دیئے جا رہے ہیں جن سے یہ جانی پہچانی جاتی ہیں۔

- ★ موت سے ملاقات — REUNION WITH DEATH
- ★ اجنبی نوجوان — GRAVE OF THE CHOPSTICK
- ★ آئینے کا راز — THE MIRROR GIVEN BY THE GHOST
- ★ گیتوں کے مزار — THE MOUNDS OF THE MASTER SINGERS
- ★ بندر اور باز — THE MONKEY'S IGRATITUDE

NO MELON TO SPARE	★ تربوزوں کے بیوپاری
OOKA AND THE PILFERED TACHIBANA FRUIT	★ دو سنترے
A CAT-HATER	★ آدمی اور بلی
THE HUNTER'S TRICK	★ شکاری اور بندر
THE CAMELLIA TREE TAMAYA	★ سونے چاندی کا درخت
A WATER SPRITE	★ پانی کا بھوت
KOGA SABURO	★ شہزادی کی تلاش
THE THIEF WHO TOOK THE MONYBOX	★ سونے کے سکوں والا ڈبا
THE FISHERMEN'S BATTLE	★ مچھیروں کی جنگ
SILLY SABURO	★ بیوقوف سابورو
MONKEY-DANCE AND SPARROW–DANCE	★ بندر اور چڑیا کا ناچ
THE PRINCESS WHO BECAME A HUMAN SACRIFICE	★ شہزادی کی قربانی
FEATHER-ROBE STONE MOUNTAIN	★ پروں کا آسمانی لباس

Urdu	English
★ بچّہ کھانے والی لڑکی	THE GIRL WHO ATE A BABY
★ پیال کی گڑیاں	THE SHRINE BUILT BY STRAW DOLLS
★ سب سے طاقتور پہلوان	THE STRONGEST WRESTLER IN JAPAN
★ دھان کی فصل	A SAHI CHOJA
★ کوئلوں کا سونا	THE CHARCOAL BURNER WHO BECAME A CHOJ/
★ راہبہ کا انصاف	THE NUN AS JUDGE
★ بوڑھا اور لومڑی	THE OLDMAN AND THE FOX
★ کھانے اور سونے والا لڑکا	THE THREE-YEAR SLEEPING BOY
★ خرگوش کی توبہ	THE RABBIT WHO CROSSED THE SEA
★ دانشمند بوڑھا	THE MOUNTAIN WHERE OLD PEOPLE WERE ABANDONED
★ سب سے بڑی کہانی	A TALL TALE CONTEST
★ نارٹ کے ہیٹ کا معبد	THE STRAW-HAT TEMPLE
★ لوہے کا ہیٹ	THE IRON HAT

اظہارِ تشکّر

اس کتاب میں جو جاپانی لوک کتھائیں " شامل ہیں وہ مندرجہ ذیل کتابوں اور رسائل سے شکریہ کے ساتھ ماخوذ ہیں۔

- "LEGENDS OF JAPAN"
  RETOLED BY HIROSHI NAITO
  TOKYO – 1978

- **"FOLK TALES OF JAPAN"**
  EDITED BY KEIGO SEKI
  TRANSLATED BY ROBERT J. ADAMS
  CHICAGO – 1963

- "FOLK LEGENDS OF JAPAN"
  BY RICHARD M. DORSON
  TOKYO – 1981

- "TALES FROM THE JAPANESE STORYTELLERS"
  SELECTED AND EDITED BY HAROLD G. HENDERSON
  TOKYO – 1976

- **"JAPANESE CHILDREN'S FAVOURITE STORIES"**
  EDITED BY FLORENCE SAKADE
  TOKYO – 1953

- **"LITTLE ONE–INCH AND OTHER JAPANESE CHILDREN'S FAVOURITE STORIES"**
  EDITED BY FLORENCE SAKADE
  TOKYO – 1958



،، شفیع عقیل نے صحافت سے اپنے سفر کا آغاز کیا لیکن انہوں نے ادب سے اپنا ناتا نہیں توڑا۔ اس طرح انہوں نے مولانا عبدالمجید سالک اور چراغ حسن حسرت کی روایات کو زندہ رکھا ہے ،،

(غلام عباس)



،، ہمارے بعض ادیب جمود کا شکار ہوں تو ہوں ہمارا ادب جامد نہیں ہے اور خاص طور سے اس صورت میں تو اسے جامد قرار دے دینا اس پر ایک سفاکانہ الزام ہے، جب ہمارے ہاں شفیع عقیل کے سے جری اور وسیع الحوصلہ اہل قلم موجود ہیں جن کے ہاں تخلیق کا عمل کبھی نہیں رکا اور جن کی تخلیقات کے معیار کبھی نہیں گرے ،،

(احمد ندیم قاسمی)



،، کہانیاں سننے سے کسے دلچسپی نہ ہوگی لیکن شفیع عقیل نے ان سے اردو ادب کو پرمایہ تر بنانے کا کام لیا ہے ،،

(ابن انشاء)



،، اردو میں مختلف ملکوں کی لوک کہانیاں پہلے بھی منتقل ہوئی ہیں مگر بہت کم تعداد میں۔ شفیع عقیل نے گویا اس بات کا بیڑا اٹھالیا ہے اور اب تک وہ برابر کامیابی حاصل کر رہے ہیں ،،

(جمیل الدین عالی)



،، شفیع عقیل ہمارے دور کے ان معدودے چند اردو ادبا میں سے ہیں جنہوں نے انتھک محنت، حقیقی لگن اور پیہم خلوص کے ساتھ تخلیق اور تحقیق کے میدان میں گرانقدر کارنامے انجام دیئے ہیں،،

(محمد علی صدیقی)

